قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۹۲۴۶

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریّا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدّین اکبر

ناشر: عطاءُ الرحمٰن آرائیں

طابع: خالد منصور نسیم

مطبع: النّور پرنٹرز و پبلشرز

۳/۲ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور ۲۵

ٹیلیفون ——— ۴۸۵۸۲۶

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۲
فسادِ آدمیت کے ابلیسی گوشے	محمد عمر دراز	۹
تاریخُ القرآن	مولانا اسلم جیراجپوری	۱۵
ابتداء ہوتی ہے تیرے نام سے	قاسم نوری	۲۵
نیست ممکن جز بقرآن زیستن	علی محمد جدھڑ	۲۸
یقین افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے	اعزاز الدین	۴۰
حقائق و عبر	ادارہ	۴۲
بچوں کے لئے	قاسم نوری	۴۵
میرے نام	محمد قاسم خاں	۴۷
وحی صرف قرآن میں ہے	خواجہ ازہر عباس	۴۹
اشتہار	ادارہ	۶۸
انگریزی مضمون	ثریا عندلیب	۶۹

جلد ۴۴ ——— نومبر ۱۹۹۱ء ——— شمارہ ۱۱

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: -/۱۰ روپے

لمعات

مرض اور علاج

[illegible] جس صورت حال سے دوچار ہے وہ اس کے ہر خیر خواہ کے لئے تشویش کا باعث ہے۔ سوچنے والوں کو سوچنے پہ مجبور ہے۔ ایک طرف تشویش اور دوسری طرف محبت کا تقاضا ہے کہ وہ اسے اس حال تک پہنچانے والے عوامل کی تہہ تک پہنچے اور اس صورت حال سے نکلنے کی تدبیر کرے۔

پاکستان اس وقت سیاسی میدان میں بے سہارا، معاشی زبوں حالی کا شکار پہلے سے کہیں زیادہ ہے ـــــ مگر زندہ قوموں کے لئے ایسے حالات مایوسی کا باعث نہیں ہو سکتے جب تک قومی وحدت قائم، جذبۂ تعمیر زندہ ہو، قومی لیڈر شپ پہ قوم کا اعتماد ہو، قومی کردار مضبوط اور دیرپا اقدار پر استوار ہو، ایسی مشکلات عارضی ثابت ہوتی ہیں، بلکہ قومی غیرت کا امتحان اور قوم کی ہمت کے لئے مہمیز بنتی ہیں ـــــ ایسی قومیں ڈٹ کر مشکلات کا مقابلہ کرتی ہیں، قربانیاں دیتی ہیں، تو مشکلات گریز پا ہو جاتی ہیں اور ملک پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو کر اقوام عالم میں سر بلند و سرخرو ہوتا ہے ـــــ مثالوں کے لئے دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سب سے زیادہ زخم خوردہ اور خستہ حال معیشت جرمنی اور جاپان کی تھی مگر دنیا نے دیکھا کہ ان قوموں کے عزم راسخ اور ان تھک محنت کے آگے مشکلات کیسے ہَوا میں تحلیل ہوتی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جرمنی کی معیشت یورپ ہی کی نہیں، ساری مغربی دنیا کی سب سے مضبوط معیشت بن گئی اور جاپان کی ترقی نے تو یورپ اور امریکہ کو بھی مات دے دی اور ان کی فنی اور سائنسی مہارت نے یورپ اور امریکہ کو دفاعی اقدامات پہ مجبور کر دیا، آج جاپان کی آٹوموبائیل کی صنعت اور الیکٹرانکس کی مصنوعات نے امریکہ تک کو بے بس کر کے اس کے ساتھ سمجھوتوں پہ مجبور کر دیا ہے ـــــ خود برطانیہ انگریز قوم کے جذبۂ حب الوطنی اور قربانیوں کی بدولت جنگ عظیم دوم کی سختیوں کو جھیل کر جنگ کی بھٹی سے سرخرو ہو کر نکلا۔

پاکستان میں بسنے والے لوگ، ان جذبات سے عاری لوگ نہیں، وقت پڑنے پر انھوں نے اپنے آپ کو

بلند ترین انسانی خصوصیات کا حامل کیا' قربانی دینے کے جذبے میں' یک جہتی کا ثبوت دینے میں' سختیاں سہہ سکنے کا اہل ہونے کا ثبوت دینے میں کسی سے پیچھے نہیں' بہادری اور شجاعت' بلند حوصلگی تو انہیں ورثے میں ملی ہے۔ یہ خصوصیات تو ان کی روایت ہیں ــــ یہ لوگ غربت میں بھی خوش رہنے والے لوگ ہیں ــــ مگر وقت کے ساتھ ساتھ' رہنماؤں کی بے تدبیریوں کے باعث قوم کی ذہنیت میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی۔ برائیاں جڑ پکڑتی گئیں اور جذبے ماند پڑتے گئے۔

سیاسی ابتری اور معاشی بدحالی کے بعد معاشرتی افراتفری' اخلاقی بے راہ روی قومی کردار میں در آئی معیشت مانگے کے پیسوں (غیر ملکی قرضوں) کی محتاج ہوئی' تو کچھ دینے والوں کی نیت میں فتور' کچھ لینے والوں کی نیت کی خرابی تنزلی کا باعث ہوئی' دینے والوں کی تو خیر اپنی مصلحتیں' مفادات اور مقاصد تھے۔ لینے والوں میں ہوس کے بندے' کچھ سہولتوں' کچھ عہدوں' کچھ چھوٹے چھوٹے مفادات کے عوض بک گئے ــــ مگر یہ سب کام اس صفائی سے ہوا کہ بکنے کے باوجود معتبر کے معتبر رہے' اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے' حرام کے پیسوں کے بل پہ معتبر کہلائے۔ کہیں باہر سے تو یہ لوگ آئے نہیں تھے' لوگ ان کے ماضی سے بھی واقف تھے اور ان کا حدود اربعہ خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کی عزت تو ان کے دلوں میں نہ بنی مگر سب نے سمجھ لیا کہ اب معتبری کردار سے نہیں' پیسے سے آتی ہے' اس لئے جیسے تیسے بھی ہو' پیسہ بنانا چاہیئے۔ مناسب' نامناسب' حرام حلال کی بحث دور از کار قسم کی بحث ہے۔ یوں اقدار میں تبدیلی آئی اور اقدار میں تبدیلی نے کردار میں تبدیلی پیدا کی' اوپر اوپر سے بھی' اصحاب اختیار و کار پردازانِ حکومت اسلام' اسلام کی دہائی دیتے رہے' نہ کسی کو اپنے خدا کا دیا ہوا بڑائی کا معیار یاد آیا نہ کسی نے انہیں یاد دلانے کی کوشش کی۔

علمائے کرام بلند بانگ دعوے تو کرتے رہے مگر کسی نے اربابِ اختیار کو' و لکل درجات مما عملوا ــــ اور اِن اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے فرمان دہرانے کی توفیق نہ ہوئی۔ رشوت خور' سمگلر اور دیگر غیر قانونی طریق سے دولت کمانے والے کی دولت کو غیر قانونی جاننے کے باوجود معاشرے میں ان کی عزت و تکریم ویسی کی ویسی ہی رہی ــــ یاد کراتا بھی کون' مذہب کے ٹھیکیدار ــــ علماء اور مشائخ سیاست کے کھیل میں اسی طرح ملوث ہوگئے جس طرح اس سے پہلے زمیندار اور کارخانہ دار اور کچھ بعد ان صفوں میں شامل ہونے والے سمگلر اور منشیات کے سوداگر' سالوں یہ لوگ کبھی ان لوگوں کے ساتھ' کبھی علیحدہ ایوانِ اقتدار کی غلام گردشوں میں نظر آئے اور یوں جب یہ سب عوام کے حق میں' بہر یک تکبیر صد نخچیر گر کی صورت ہم رکاب ساتھی ہوگئے' تو حق بات کہنے کی جرأت کہاں سے آتی۔ ذاتی مفادات نے سچائی کا گلا گھونٹ دیا۔ دوپٹہ شانے سے ڈھلکنے پر' سال بعد یہ اپنے حقوق کے لئے نعرہ لگانے پر' ڈرامے کے کسی سین پر' نکاح کے ٹوٹنے' نہ ٹوٹنے پر تو فتوے دیئے

جاتے رہے مگر دوسروں کی کمائی پر عیش اڑانے والوں، رشوت خوروں، ناجائز منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں اور دیگر غیر قانونی کام کرنے والوں کے خلاف لب کشائی کی ہمت، ان 'اللہ والوں' میں سے کسی کے حصے میں نہ آئی۔ بلکہ جس نے غریبوں کے، مظلوموں، بے سہاروں کے، یتیموں اور مساکین کے حقوق کی آواز بلند کی، منبر و محراب کے ٹھیکیداروں نے انہیں، گمراہ، دین سے بے گانہ اور باغی قرار دے کر کفر کے فتوے صادر کر دیئے اور گردن زدنی قرار دے دیا۔

صوبہ پرستی تو خیر شروع ہی سے کچھ لوگوں کا شیوہ تھی اور یہ لوگ ان صوبوں کے عام لوگ یا عوام نہیں بلکہ زمیندار، وڈیرے، خان تھے۔ یہ بھی دراصل اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے جغرافیائی اور لسانی عصبیتوں سے فائدہ اٹھانے کا ایک حربہ تھا، مگر اسے قومیتوں کا لباس پہنا کر پختہ تر کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا گیا ــــ نسلی اور لسانی عصبیتوں کے جو بُت اسلام نے چودہ سو سال پیشتر توڑ دیئے تھے، انہیں اسلام کے ان نام لیواؤں نے ایک مشنری لگن کے ساتھ دوبارہ جوڑ کر، نئے خوبصورت رنگ و روغن سے سنوار کر دوبارہ اس اسلامی مملکت کے کعبے میں پوجنے کے لئے سجا دیئے۔ سندھی، بلوچی، پختون (بنگالی کی بات کر کے میں ایک اور زخم کو کریدنا نہیں چاہتا) اپنی محرومیوں کے حوالے سے پنجاب کو کوستے تھے، اب مرکز سے پنجاب کی محاذ آرائی ہوئی، تو پنجاب والوں کو بھی پنجابیت کا خیال آ گیا اور پہلی بار ظفر علی اور اقبال کی سرزمین بھی پنجابیت کا نعرہ لگا کر کارزارِ سیاست میں اُتر آئی۔

قومیتوں کی بات چلی، تو پانچویں قومیت کا ذکر بھی سننے میں آیا۔ پچھلی دہائی میں اس نے جنم لیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پہ شباب بھی آ گیا، یہ قومیت ان لوگوں کی شناخت بتائی گئی جو خود یا ان کے والدین پاکستان بننے پر از خود اپنے آبائی مسکنوں کو چھوڑ کر تازہ بستیاں آباد کرنے کی لگن لے کر اس سرزمین میں آباد ہوئے۔

مہاجر تو وہ بھی تھے جو امرتسر، جالندھر، ہوشیار پور، لدھیانہ، فیروز پور، انبالہ، بلکہ رہتک، حصار، الور تک کے لوگ تھے، جو بڑے ہی ابتر حالات میں اس طرف پہنچ پائے تھے، بے گناہی کے جرم میں ــــ نہیں، انہوں نے ایک جرم کیا تھا، وہ کلمہ گو تھے، اسلام کے نام پر بننے والی مملکت کے حامی تھے، اس لئے بے دریغ لُٹ گئے، قتل کئے گئے، اغوا، عصمت دری کے اتنے واقعات ہوئے کہ شاید چشم فلک نے ساری تاریخ میں نہ دیکھے ہوں، ــــ وہ بھی مہاجر مگر آج ان کی شناخت، محض پاکستانی ہونا ہے اور مہاجر قومیت ان کے حصے میں آئی جو نسبتاً پُرامن علاقوں سے پروگرام کے تحت نئی سرزمین میں آ بسے ــــ نئی سرزمین، جسے ان عصبیتوں سے پاک علاقہ ہونا تھا، جہاں ایک خدا، ایک رسولؐ کی نام لیوا، کلمۂ توحید پہ متفق ایک قوم نے اسلام کو اپنی اصلی اور منزّہ شکل میں دوبارہ نافذ کر کے نظامِ سرمایہ داری اور کمیونزم کے دو پاٹوں میں پسی ہوئی انسانیت کو اس کی فردوس گم گشتہ کی نشاندہی کرنا تھا جس کی تلاش میں وہ صدیوں صدیوں پریشان رہی ہے، مگر وہ خود صوبوں، قومیتوں، لسانی اور نسلی

گروہوں کے بعد متحارب فرقہ پرستی میں بٹ گئی۔

یوں تو فرقے پہلی صدی ہجری میں وجود میں آ گئے تھے، فرقے بنے، تو ہر ایک کی فقہ اپنی، ہر ایک کا امام اپنا، ہر ایک کی عقیدتوں کا نشان اپنا ـــــ اور جہاں عقیدتیں درمیان میں آجائیں، وہاں گروہ بندیوں کو تقدس حاصل ہو جاتا ہے، عقیدت جتنی گہری ہوگی، اتنی ہی دوسروں کی مخالفت شدید ہوگی۔ گروہ بندیوں کا تقاضہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے گروہ سے زیادہ متمسک ہو کر اسے زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے اور دوسرے گروہ کی زیادہ سے زیادہ مزاحمت ـــــ اور جہاں گروہ کی مضبوطی اور دوسروں کی مخالفت مقدس ہو جائے، وہاں فرقوں کی باہمی لڑائی میں مارے جانے والے دونوں طرف شہید قرار دیئے جاتے ہیں ـــــ یہ لڑائیاں ان فرقوں کے بڑوں کی بھڑکائی ہوئی جذباتی فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

اس ملت کا سب سے پہلا اور واحد منشور کتابِ خداوندی قرآنِ حکیم تھا اور اس کو نافذ کرنے کے لئے ایک مرکز کی اطاعت ضرور ہوتی ہے۔ اس کے حکم سے سرتابی ملت کے حصار سے باہر نکل جانے کے مترادف تھا، اس ذاتِ گرامی نے جو اس ملت کی پہلی مرکزی اتھارٹی تھا، اپنے ساتھیوں کی تربیت ان خطوط پہ کی کہ ان کے نزدیک ذات پات، قوم قبیلہ، رنگ، نسل کی کوئی اہمیت نہ رہی، اہمیت بنی تو مرکز سے وابستگی کی، اس تعلیم اور ان قوانین کی پابندی کی ـــــ اسے تقوے کہہ کر پکارا گیا، ایسے لوگ متقی کہلائے اور ان کے لئے رہ زندگی میں ہدایت اس کتاب کی تعلیم تھی جو اس رسولؐ پر اتاری گئی جو پہلا مرکزِ ملت بھی ہوا، یہی تعلیم تھی جس کی وجہ سے وہ برادرانِ قریش جو اپنے برابر کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ ایک حبشی نژاد غلام بلالؓ کو یا سیدی کہہ کر پکارتے تھے، انہی لوگوں پر مشتمل وہ امت تھی جسے گواہ بنا کر اس مرکزِ ملت نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان کیا۔

"اے نوعِ انسان (سُن رکھو کہ) تمہارا سب کا رب ایک ہے اور تم ایک ہی اصل کی شاخیں ہو، اس لئے عربی کو عجمی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے سبب۔

یاد رکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس طرح تمام روئے زمین کے مسلمان رشتۂ اخوت میں منسلک اور مسلکِ مودت سے منوط۔

تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے نزدیک اسی طرح محترم ہونا چاہیئے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں وجہ احترام ہے۔

کہیں میرے بعد (ائتلاف و مرکزیت کی صراطِ مستقیم چھوڑ کر تشتت و افتراق کی)

گمراہی نہ اختیار کر لینا کہ خود ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگ جاؤ، یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پُرس کریگا۔

میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا، تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کیا ہے، کتاب اللہ!

——— اور کتاب اللہ کا فرمان ہے، اے مسلمانو! دیکھنا تم مومن ہونے کے بعد پھر سے مشرک نہ بن جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور خود بھی ایک پارٹی یا فرقہ بن گئے ——— اور اس کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ ——— اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے مسلک میں مگن رہتا ہے۔

(۳۰/۳۱-۳۲)

اس طرح اپنے مسلک میں مگن رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی مفاد نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، وحدتِ فکر و عمل پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور جس قوم و ملت کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے، وہ کارگہِ حیات میں خاسر و نامراد رہتی ہے، ذلیل و خوار ہوتی ہے۔

یہ قوم آج بھی اس ذاتِ اقدس و اعظم سے محبت کی دعویدار ہے، اس کی، اس کے نام کی حرمت کے لئے کٹ مرنے کو عین سعادت سمجھتی ہے، کیوں یہ فراموش کر دیتی ہے کہ ذاتِ خداوندی نے تو فیصلہ دے دیا تھا کہ

"جو لوگ دین میں فرقے پیدا کر لیں اور خود ایک گروہ یا پارٹی بن جائیں، اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہ سکتا ———"

یہ امت کیوں صدیوں سے ذلت سہنے کے باوجود سمجھ نہیں پائی کہ اس کی ذلت کا سبب یہ ہے کہ اس کا تعلق اس ذاتِ گرامی سے ختم ہو چکا ہے اور وہ اس کی شفقتوں، اس نام کی برکتوں سے محروم ہو چکی ہے ——— یہ قولِ فیصل ہے، یہ نکبت و ادبار، یہ ذلت و محرومی اسی مرکزِ ملت سے کٹ جانے کے باعث ہے ———

اپنا رشتہ ایک بار اس رحمۃ اللعالمین سے جوڑنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم صرف اور صرف کتاب خداوندی اور اس میں دیئے قانونِ خداوندی کو اپنی وفاداریوں کا مرکز بنائیں، فرقہ بازی سے باز آجائیں، ایک مرکز پر مجتمع ہو جائیں!

آج جب ملک میں فرقہ بازی، عقیدے کے ذاتی اختلاف سے بڑھ کر برسرِ پیکار مسلح گروہوں کی شکل اختیار کر چکی ہے جن کے پاس جدید ترین ہتھیار ہیں اور یہ گروہ ایک دوسرے ہی کو نہیں، حکومت کو بھی چیلنج کر رہے ہیں حکومت قوم کو فرقہ بازی سے باز رہنے کی تلقین کر رہی ہیں اور انہی لوگوں کو بلا رہی ہے جو اس فضا کو اس حال تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں وہی مختلف فرقوں کے سربراہ ہیں، جو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں

اپنے فرقے کے اعتقادات کو پھیلائیں، دوسروں کے عقائد کو غلط اور گمراہی پر مبنی ثابت کریں، جن کی لیڈری، جن کی سیادت ہی ان کی اس فرقہ بازی کی مرہونِ منت ہے ـــــ اب یہ حکومت کو کون سمجھائے کہ ایسا کون عقل کا اندھا ہوگا جو اپنے ہی اقتدار، اپنی ہی سیادت اور سرداری کا مخالف ہو، کون اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑا مارنا گوارا کرے گا ـــــ آپ کیسے یہ امید کر سکتے ہیں، خاص طور پر جب آپ فرقوں کو سرکاری سطح پر تسلیم کر چکے ہیں، یہ فرقے ان کا وجود آپ کے دستور میں جگہ پا چکے ہیں، آپ فرقوں کو اجازت دے چکے ہیں کہ قرآن و سنت کی تفسیر اپنی اپنی فقہ کی روشنی میں کر سکتے ہیں اور اس پر اپنے طور پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ فقہ جعفریہ کے پیروکاران کو آپ اپنی سرکاری فقہ کے مطابق کاٹی جانے والی زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے چکے ہیں۔

"اپنے عقیدے کو نہ چھوڑو، دوسرے کے عقیدے کو نہ چھیڑو" ایک اچھا اشتہار تو ہو سکتا ہے مگر عملاً ممکن نہیں جب مفادات ٹکرائیں گے، تو حرارت تو پیدا ہوگی، جھگڑے تو ہوں گے ـــــ اور پھر ہر فرقے کو شخصی زندگی اپنی اپنی فقہ کے مطابق گزارنے کی اجازت دے کر اور ملکی سطح پر حکومتی قانون کی تابعداری میں جکڑ کر عملاً سیکولر طریق حکومت کی برتری کو تسلیم کر لیا، سیکولر حکومت میں یہی ثنویت ہوتی ہے ـ رسوم و عبادات اپنے مذہب کے مطابق، باقی میدانوں میں حکومتی قانون ـــــ اسلامی حکومت میں یہ ثنویت نہیں ہوتی۔

فرقوں کو مکاتبِ فکر کہہ دینا اور خوش ہو جانا حقائق سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ کبوتر آنکھیں بند کر لے، تو بلی کا خطرہ تو نہیں ٹل جاتا۔ مختلف نام رکھ لینے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی ـــــ اگر یہ صرف مکاتبِ فکر ہوں، تو ان کا دائرۂ کار کچھ کانفرنسوں، کچھ سیمیناروں سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے، جہاں علمی مباحثے ہوں، علم اور دلائل کے زور پر آپ ایک دوسرے کو قائل کر سکتے ہیں۔ بات کفر کے فتووں تک نہیں پہنچ سکتی، مکاتبِ فکر کافر گری کے پلیٹ فارم تو نہیں ہو سکتے اور یہاں تو روز یہ کھیل دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ تو شکر ہے ابھی زمامِ کار واقتدار مُلّا کے ہاتھ میں نہیں ورنہ جس طرح آج تک نکاح توڑے جا رہے تھے، سر لڑھکائے جا رہے ہوتے، جونہی کسی نے آپ کے عقیدے سے اختلاف کیا اسے کافر قرار دے دیا اور اس سے جینے کا حق چھین لیا ـــــ

ملک کے سنجیدہ طبقوں کو سوچنا چاہیئے کہ صوبہ پرستی، قومیتوں پر اصرار، لسانی اختلافات اور اس کے بعد عقیدوں کے جنگجویانہ اختلافات کی اجازت کہیں اصل معاملے کو سائیڈ ٹریک (SIDE TRACK) کرنے اس سے گریز پائی کی کوشش تو نہیں، کہیں یہ دنگے فساد، یہ خونریزیاں برسر اقتدار حضرات کا وہ کھیل تو نہیں جس میں عوام کی توجہ اصل حالات سے اور حالات کے ذمہ دار مجرموں سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کرانا تو نہیں ـــــ

غور تو کیجیے، جہاں غریب کو حلال کی دو وقت کی روٹی کے لئے جگر پاش مشقتوں سے گزرنا ہو، لاکھوں سروں پہ ساعد موسموں کی سختیوں سے بچنے کو چھت نہ ہو، تن ڈھانپنے کو کپڑا نہ ہو، بیروزگاری ہو، علاج معالجے کی سہولتیں نہ

نہ ہوں، بوڑھوں اور بے سہارا لوگوں کے لئے کوئی انتظام نہ ہو، جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ نہ ہو، وہاں اسلام کا نام لینا کہاں تک جائز ہے۔ اسلام تو عدل و انصاف کا ضامن ہے، اس نظام کا تو طرۂ امتیاز ہی امن ہے، اس معاشرے میں جہاں اسلام نافذ ہو، امن ہوتا ہے، سلامتی ہوتی ہے، نہ خوف نہ حزن، نہ انتشار نہ افتراق، نہ کشت و خون، وہ تو دلوں کو جوڑنے کا نام ہے۔

اور پھر یہ ذہنیت کبوتر کا آنکھیں بند کرنے کا عمل نہیں، تو اور کیا ہے، ہم اپنی ساری کمزوریوں، کوتاہیوں، اپنی ساری شکستوں اور ذلتوں کو اغیار کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ قرار دے کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب کسی نے کہا تھا، مومن کسی کو دھوکا نہیں دیتا، تو آپ نے فرمایا تھا، بھائی بات پوری کرو، مومن کسی کو دھوکا نہیں دیتا، نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے، ــــ دشمن لاکھ ریشہ دوانیاں کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اگر ہم غافل نہ ہوں، ہمیں کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اگر ہمارا ایمان پختہ ہو، ہمیں اپنے موقف پہ یقین ہو ــــ

ضرورت پھر اسی طرف لوٹنے کی ہے، ہمارا علاج وہی رہنمائی ہے جو کتاب اللہ سے ملتی ہے، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ــــ (۳/۱۰۲)۔

آج ہم اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً (۳/۱۰۲) کی حالت میں ہیں، اگر ہم نے کتاب اللہ کو اپنا رہبر و رہنما بنا لیا، تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ پھر سے فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (۳/۱۰۲) کی کیفیت پیدا کر دے گا۔

درسِ قرآن

مدینہ ٹائپنگ کالج

بیادِ اقبالؒ

محمد عُمر

فسادِ آدمیت کے ابلیسی گوشے

زندگی کی سٹیج پر آدم اور ابلیس بیک وقت نمودار ہوئے۔ آدم کو اس کے خالق نے اس زمین پر ایک
کامیاب زندگی گذارنے کے لئے اپنے انبیائے کرامؑ کے ذریعے ضابطۂ ہدایت دیا اور ساتھ ہی یہ انذار (وارننگ)
بھی کہ

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

(۴۳/۶۲)

"دیکھنا کہیں شیطان تمہیں اس راہ پر چلنے سے نہ روک دے (جو ہم نے تمہارے لئے
متعین کی ہے)۔ بلاشبہ شیطان تمہارا کُھلا کُھلا دشمن ہے۔"

لیکن اس کے باوجود آج تک ابنِ آدم اپنے ازلی دشمن سے مات کھائے چلا آرہا ہے بجز ان قلیل وقفہ ہائے
حیات کے جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کے فرستادگانؑ کی لائی ہوئی وحی کی روشنی میں اپنا سفرِ حیات طے
کرنا شروع کیا۔

حق کی تعمیری قوتیں جن کا سرچشمہ وحیٔ خداوندی ہوتا تھا (اور جواب، صرف قرآن کریم کی دفتین میں موجود
ہے) بنی نوعِ انسان کے باہمی اختلافات مٹا کر، اُن کے دکھوں کا مداوا کریں اور انہیں ایک ایسا فلسفۂ زندگی
اور نظامِ معیشت عطا کرے جس میں نہ کوئی فرد اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے اور نہ ہی وہ بنیادی ضروریاتِ
زندگی سے محروم رہتا ہے، ملتِ واحدہ (ایک برادری) بنانے کا پروگرام عطا کرتی ہیں۔ جبکہ باطل کی تخریبی
قوتیں جنہیں ابلیسی قوتیں بھی کہا جاتا ہے، انسانیت کو جغرافیائی، لسانی، رنگ اور نسل کی بنیادوں پر مختلف
گروہوں، ان گنت قوموں اور کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے بے شمار ملکوں میں تقسیم کرکے، اس کا استحصال کرنے
کے طریقے سکھلائیں اور اپنے پروگراموں کو اپنے منتخب کارکنان، ملوکیت، سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کے

ذریعے بروئے کار لاتی ہیں۔

ہمارے زمانے کے عظیم مسلم مفکر، حضرت علامہ محمد اقبالؒ، عمر بھر علم خداوندی کے شاہکار، قرآن کریم کی روشنی میں عالمِ انسانیت کو وہ راہ دکھاتے رہے جس پر گامزن ہونے سے وہ اپنے مقصودِ حیات کو بآسانی حاصل کر سکتا ہے، یعنی اس دنیا میں جنتی زندگی اور نتیجۃً ایک درخشاں حیاتِ اُخروی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ، اُن ابلیسی قوتوں کی بھی نشاندہی کرتے رہے جو اُسے، اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے سے روکنے کی تگ و دو میں مصروف کار رہتی ہیں۔

انھوں (حضرتِ علامہ) نے اپنی فکر کے ماحصل کو "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے عنوان سے اس نظم میں پیش کیا ہے جو اُن کی آخری تصنیف، ارمغانِ حجاز، میں درج ہے اور جسے ہم پیشِ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

اس نظم میں انہوں نے ایک محاکاتی انداز اختیار کیا ہے اور اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے کہ باطل کی قوتوں کا سردار، ابلیس ایک کانفرنس منعقد کرتا ہے جس میں ابلیسی سلطنت کو درپیش خطرات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ ابلیس کے مشیر اپنی اپنی رپورٹیں پیش کرتے ہیں اور اپنے تئیں اُن خطرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ابلیس سب رپورٹیں سننے کے بعد، انہیں بتاتا ہے کہ جن خطرات کی طرف انہوں نے توجہ دلائی ہے وہ دراصل اسی کے پھینکے ہوئے دام ہائے ہمرنگِ زمین ہیں اور ہرگز ایسے نہیں کہ ابلیس کے مشیران کے لئے وجہِ پریشانیٔ خاطر بن سکیں، وہ بتاتا ہے کہ حقیقی خطرہ کچھ اور ہے جسے وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

اور آخر میں انہیں وہ منشور (MANIFESTO) دیتا ہے جسے عالمِ اسلام میں بالخصوص اور بنی نوعِ انسان میں بالعموم عام کرنے سے ابلیسی سلطنت کو دوام حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے اس منشور کا مقطعہ کا بند یہ ہے کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

آپ اس نظم کا اس پس منظر میں مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ حضرت علامہ نے کس خوبصورتی اور فصاحت و بلاغت سے ان تمام گوشوں کی نشاندہی کی ہے جو انسانیت کو مستقل فساد میں مبتلا رکھتے ہیں اور پھر اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالئے۔ آپ کو صاف نظر آجائے گا کہ فسادِ آدمیت کے یہ تمام گوشے کس چابکدستی سے ہمیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ ان سے نبرد آزمائی اور انہیں زیرِ دام لانے کا راستہ بھی وہی

ہے جو حضرت علامہ بین السطور میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی شرعِ پیغمبرؐ کو، جسے ابلیس کے کارکنان نے انسان کی نگاہوں سے مستور کر رکھا ہے، آشکارا کرنا۔

ممکن ہے اس نظم کے اس انداز میں مطالعہ سے آپ اپنے ازلی دشمن کو پہچان سکیں اور اس کے طریقہ ہائے واردات کو سمجھ سکیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ پر وہ راہ وا ہو جائے جس پر گامزن ہونے سے ابلیس کے اس (بظاہر) محکم جال کو توڑا جا سکتا ہے۔ اب آپ نظم ملاحظہ فرمائیے ــــ یاد رہے کہ یہ حضرت علامہ اقبالؒ کی عمر بھر کی فکر کا نچوڑ ہے۔

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

۱۹۳۶ء

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دُنیائے دوں!
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں!
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں!
کون کر سکتا ہے اسکی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں؟

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
اُن کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!
یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام!
طبعِ مشرق کے لئے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ 'قوالی' سے کچھ کمتر نہیں 'علمِ کلام'
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام!
کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید؟
'ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام!'

دوسرا مشیر

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر؟
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

پہلا مشیر

ہُوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر!

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

تیسرا مشیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیمِ بے تجلی! وہ مسیحِ بے صلیب!
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کیلئے روزِ حساب!

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب!

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آلِ سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب!

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب!

پانچواں مشیر
(ابلیس کو مخاطب کرکے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگون و شرمسار

گرچہ ہیں تیرے مریدافرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار
فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابلیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو
دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مُو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

۲

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں
الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب!
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں!
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

۳

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات!
ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مُہرے ہوں مات!
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات!
مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

مولانا محمد اسلم جیراجپوری

تاریخ القرآن

تمہید

اللہ تعالیٰ نے نبی عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جس ملک اور جس قوم میں پیدا کیا ان میں صرف چند شخص تھے جنھوں نے اپنے تجارتی کاروبار کی ضرورت سے لکھنا سیکھ لیا تھا ورنہ بالعموم وہ "امیین" یعنی ناخواندہ لوگ تھے۔ چنانچہ اسی لفظ سے اللہ تعالےٰ نے ان کو مخاطب فرمایا:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (۶۲/۲)

وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

عربی خط

عربی خط کے موجد اہلِ یمن ہیں جن کے یہاں حمیری سلطنت قائم تھی۔ حیرہ میں جب آلِ منذر کی حکومت قائم ہوئی، تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہلِ یمن سے کتابت سیکھی۔ یمنی خط کو مسند کہتے تھے۔ وہی حیرہ میں خطِ حیری کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حیرہ کے متصل عراق کے صدر مقام کوفہ کو جب آباد کیا، تو خطِ حیرہ نے خطِ کوفی کا لقب پایا۔

حجاز میں سب سے پہلے حرب بن اُمیہ نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو بادشاہ حیرہ کے دربار میں رہتا تھا، کتابت اخذ کی۔ ان کے بعد چند دیگر اشخاص نے جن میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی تھے اس کو سیکھ لیا۔

لیکن یہ لوگ صرف اس قدر لکھنا پڑھنا جانتے تھے کہ اپنی تجارت کے کاروبار کا ضروری حساب وکتاب لکھ سکیں۔ کسی باقاعدہ اس کی تعلیم تھی نہ شوق تھا۔

شاعروں کے قصیدے، کاہنوں کے قصّے اور اہم واقعات زبانی یاد رکھے جاتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اگر کوئی قصیدہ ملک میں لاجواب تسلیم کرلیا جاتا تھا، تو اس کو لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیتے تھے۔ لیکن اس سے صرف اس کا اعزاز مدِّنظر ہوتا تھا نہ کہ اس کی اشاعت۔

اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے بعض بعض صبر یا راہب خاص خاص حصّے آسمانی کتابوں کے مذہبی غرض سے اپنے پاس رکھتے تھے۔ لیکن یہ کتابیں اس وقت عبرانی زبان میں تھیں۔ ان کے کسی جزو کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا اور نہ ترجمہ کا خیال پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ سامانِ کتابت کی دشواری کی وجہ سے اگر وہ اصل کتاب ہی کا کوئی جزو لکھ لیتے تھے، تو غنیمت سمجھتے تھے۔ ترجمہ کرنا تو ایک نہایت مشکل کام تھا۔

الغرض نزولِ قرآن تک عربی زبان میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی نہ حجاز میں کوئی مکتب یا مدرسہ تھا جس میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم دی جاتی ہو اور نہ کوئی تعلیمیافتہ شخص تھا۔

نبی اُمّی

آنحضرتؐ بھی امّی اور علمِ ظاہر سے ناآشنا تھے اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور نہ نبوت سے پہلے کوئی مذہبی یا آسمانی کتاب آپؐ نے پڑھی یا سنی تھی بلکہ کبھی کسی عیسائی یا یہودی عالم کی صحبت میں بھی بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

یہ جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ سفرِ شام میں کسی منزل پر ایک راہب جس کا نام بحیرہ تھا، آنحضرتؐ کے سامنے آیا تھا اور حلیۂ مبارک دیکھ کر آپؐ کی نبوت کی خبر دی تھی، اولاً تو صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لی جائے، تو یہ ایک رواروی کا واقعہ تھا جو نوعمری میں سفر میں پیش آیا۔ اس سے بعض متعصب عیسائیوں کا یہ کہنا کہ بحیرا نے آپؐ کو آسمانی کتب کی تعلیم دے دی تھی، نہایت نامعقول افترا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جن کتابوں کو عیسائی خود سالہا سال میں ختم کرتے ہیں، ان کی تعلیم دو ہی چار لمحوں میں ہو جائے۔ تعلیم کی دشواریوں سے اور اس میں جو زمانہ لگتا ہے اس سے تو ہر شخص واقف ہے۔

آنحضرتؐ کا اُمّی ہونا اور کسی آسمانی کتاب کی تعلیم نہ پانا ایک ایسی یقینی بات ہے کہ جس کو نہ صرف مسلمان بلکہ مخالفینِ اسلام بھی مانتے ہیں۔ گبن، کارلائل، ڈیون پورٹ اور باسورا سمتھ سب نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ پیغمبرِ عرب اُمّی تھے۔ راڈویل جس نے قرآن کا بہ ترتیبِ نزولی ترجمہ کیا ہے لکھتا ہے۔

ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتبِ مقدسہ کبھی محمدؐ کو دستیاب ہوئی ہوں۔

...لکے جب کرکہتا ہے ؛

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم کو کوئی پتا اس بات کا نہیں لگتا کہ کوئی ترجمہ عہدِ عتیق یا جدید کا محمدؐ کے زمانہ سے پہلے ہوا ہو۔

جان فنڈر جو بڑا متعصب پادری ہے اس نے بھی لکھا ہے ،

پیغمبرِ عرب توریت و انجیل نہیں پڑھے تھے۔

خود قرآن کی حالت پر اگر غور کیا جائے، تو بہت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ کسی انسانی ...یم کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ وحیِ الٰہی ہے کیونکہ وہ حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت تیئس سال تک ٹکڑے ٹکڑے ...ل ہوتا رہا۔

جس وقت کوئی واقعہ یا سوال پیش آجاتا تھا اُس وقت اُس کے متعلق آیتیں اترتی تھیں۔ ایسی حالت میں ...یونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ اِن تمام پیش آنے والے واقعات اور سوالوں کے جوابات پہلے سے کسی نے پیغمبر ...و سکھلا دئے تھے۔ نبی ہونے سے پیشتر آنحضرتؐ کو اس بات کا وہم بھی نہ تھا کہ ان کو نبوّت یا کتاب عطا ...ئی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (۲۸/۸۶)

تجھ کو پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تیرے اوپر کتاب نازل کی جائے گی مگر تیرے رب نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

علاوہ بریں قرآن نے موسوی اور عیسوی بلکہ تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کردیا اور اس کی تعلیمات کتبِ ...مقدسہ اور دیگر مذاہب کی کتابوں سے بدرجہا پاکیزہ، مکمل اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے والی ہیں۔ پھر ایسی ...رت میں، جب کہ اس کے مقابلہ میں نہ صرف انسانی تعلیمات بے حقیقت ہوگئیں، بلکہ خود آسمانی کتب پر بھی اس ...نے خطِ نسخ پھیر دیا، اس کو کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ کہنا بالکل عقل کے خلاف ہے۔ یقیناً قرآن وحیِ الٰہی ہے اور نبیؐ ...نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور وہ اُمّی تھے۔

گو پڑھا لکھا ہونا منصبِ نبوّت کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے حالات دیکھنے ...سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ سترِ نبوت کی تفصیلی شرح اور علوم ...کے سب سے بڑے رازداں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعلیم کے سوا کسی غیر کی تعلیم کا منت کش بنانا گوارا نہ ...چنانچہ گذشتہ آسمانی کتب میں بھی اُمّی کے لقب کے ساتھ آپؐ کی بشارتیں دی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ (۷/۱۵۷)۔

جو اس رسول نبی اُمّی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (میں اُن کے حق میں اپنی رحمت لکھ دوں گا)۔

یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ کا طغرائے لقب اُمّی ہو۔

نگارِ ما کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اَلقُرآن

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ہمیشہ انھیں میں سے اپنے خاص خاص برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا اور ان کو غیب سے بذریعہ وحی کے تعلیم دی۔ یہی بندگانِ خاص نبی یا رسول کہے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ مثلاً توریت، زبور اور انجیل وغیرہ سب سے آخری آسمانی کتاب قُرآن ہے جو نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

وحی

لُغت میں مخفی طور پر سرعت کے ساتھ کسی امر کے تبلادینے کو وحی کہتے ہیں۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات ذہن میں آئے وہ ترتیبِ مقدمات کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ دمِ غیب سے اس کا علم ہوگیا ہو۔

اصطلاحِ شرع میں وحی اُن علومِ الٰہیہ کا نام ہے جو ملاءِ اعلیٰ سے نبی کے دل پر القاء کئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کو غیب کی جس طریق پر تعلیم دیتا ہے اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عبارتیں قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ شریعت میں جن الفاظ اور عبارات میں اس کا بیان ہے انھیں سے اقتباس کر کے اس کا ایک تصور ذہن میں قائم کیا جائے۔

اس تعلیمِ غیبی کے چار طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) رویائے صادقہ، یعنی نیند میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں نیز قرآن میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ حدیث میں ہے

انبیاء کے خواب برحق ہوتے ہیں۔ ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل بیدار رہتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی نبوت سے چھ مہینے پہلے سے سچے خواب نظر آتے تھے۔ رات کو نیند میں جو کچھ دیکھتے تھے، صبح کو اس کا ظہور روزِ روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

لیکن رویائے صادقہ صرف نبی کی ہدایت کے لئے ہے۔ اس کے ذریعہ سے اصولِ شریعت کی تلقین نہیں ہوتی۔ جس طرح طلوعِ آفتاب سے پہلے صبحِ صادق نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح نورِ نبوت کے ظہور سے پیشتر سچے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔ اس تناسب کی مناسبت دیکھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ مہینہ تک رویائے صادقہ نظر آتے رہے اور ۲۳ سال تک آپ کی نبوت کا زمانہ رہا۔

(۲) اللہ تعالیٰ، بلا کسی توسط کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ اس کو وحی یا القار کہتے ہیں۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ نے طور پر ندا سُنی تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے، وہ نبی کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اس فرشتہ کو روح الامین، روح القدس اور جبریل کہا گیا ہے۔ آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ط (۴۲/۵۱)

اللہ کسی شخص سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا اپنا قاصد (فرشتہ) بھیجتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے اس کے حسبِ منشا وحی کر دیتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس وقت وحی آتی ہے آپؐ کے اوپر کیا کیفیت گزرتی ہے۔ فرمایا کہ پہلے جرس کی سی ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کو سنتے ہی میں ہمہ تن متوجہ اور خاموش ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر وحی کو سنتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ اس حالت میں بعض دفعہ مجھ پر ایسی شدت کی تکلیف گزرتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ میری روح قبض کی جا رہی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تھی، تو آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور سر جھکا لیتے تھے۔ جاڑے کے دنوں میں بھی پسینہ آجاتا تھا اور اس کے قطرے پیشانی سے موتی کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔

الہام تعلیمِ غیبی کا ایک طریقہ الہام بھی ہے، لیکن یہ ملاءِ اسفل سے ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے تشریعی اصول

کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تکوینی امور بتائے جاتے ہیں۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (۹۱/۸)۔

اور اس کی بدی اور نیکی اس کے دل میں ڈالدی۔

قرآن میں بعض جگہ اس قسم کے الہام کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ (۲۸/۷)۔

ہم نے موسےٰؑ کی والدہ کو وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ وحی تشریعی نہیں ہے۔ اس کو صرف اس لئے وحی کہا ہے کہ اس کا القاء غیب سے ہوا۔

اسی طرح الہامِ جبلّی کے لئے بھی قرآن میں وحی کا لفظ مستعمل ہوا ہے:۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (۱۶/۶۸)۔

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی طرف وحی بھیجی۔

رُوح القُدس

قرآن یہ بتلاتا ہے کہ اس کا نزول تمام تر اس وحی کے ذریعہ سے ہوا جس کو فرشتہ لاکر نبی کے دل پر القاء کرتا ہے۔ سورۂ شعراء میں ہے:۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ (۲۶/۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴)

اور بے شک اس قرآن کو پروردگارِ عالم نے نازل کیا ہے اور اس کو روح الامین نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو اس سے لوگوں کو ڈرائے۔

دوسری آیت ہے:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (۸۱/۱۹-۲۰-۲۱)۔

بے شک یہ قرآن ایک بزرگ اور قوی پیغام لانے والے کا قول ہے جو مالکِ عرش کے نزدیک عزت رکھتا ہے۔ سب کا مانا ہوا اور امانت دار ہے۔

سورۂ نحل میں ہے:۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (۱۶/۱۰۲)

کہہ دے کہ رُوح القدس نے قرآن کو تیرے رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک اُتارا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (۲/۹۷)۔

کہہ دے کہ جو جبریل کا دُشمن ہے (وہ کافر ہے) اس نے اللہ کے حکم سے قرآن کو تیرے دل پر اُتارا ہے۔

ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کو اللہ کے حکم کے مطابق جبریل امین نے لاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القار کیا۔

قرآن و حدیث

ابتدائے آفرینش سے بنی نوع انسان کے لئے دینِ الٰہی صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ (۳/۱۸)

حقیقت یہ ہے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جان لینے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف ڈال رکھا ہے۔

اسی دینِ اسلام کو ایک جگہ ملتِ ابراہیمی بھی فرمایا ہے۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا (۲۲/۷۸)

تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس میں بھی۔

دوسری جگہ ارشاد کیا ہے۔

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (۳/۸۴)۔

جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا۔

الغرض یہی دینِ اسلام ہے جس کی تعلیم کے لئے انبیاء سابقین بھیجے گئے اور اسی کی تکمیل قرآن اتار کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر کر دی گئی اور اس کا اعلان بھی نزولِ قرآن کے خاتمہ پر کیا گیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر چکا اور دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

اہتمامِ تنزیل

چونکہ قرآن دینِ الٰہی یعنی اسلام کا آخری اور مکمل مجموعہ ہے اس لئے اس کی تنزیل میں اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام فرمایا۔ اس کو اس رسول پر اتارا جو تمام رسولوں سے افضل تھا اور جو اپنی قوم میں رسالت کے قبل سے امین کے لقب سے ممتاز تھا اور اتارنے کے لئے اس فرشتہ کو منتخب فرمایا جو ملائکہ میں امین تھا۔ پھر اس کے نزول کے زمانہ میں شہابِ ثاقب سے جنات اور شیاطین کے راستوں کو روک دیا کہ وہ اس میں کوئی آمیزش نہ کر سکیں اور اتارنے کے بعد اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵/۹)۔

ہمیں نے قرآن کو اتارا ہے اور ہمیں اس کے محافظ رہیں گے۔

اسی مبارک کتاب کو اسلام کا نصاب مقرر فرمایا اور حکم دیا۔

وَ هٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶/۱۵۶)۔

اور یہ کتاب جس کو ہم نے اتارا ہے مبارک ہے تم اس کی پیروی کرو۔

اس کتاب کی عظمت اور برکت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس رات میں اس کا آغازِ نزول ہوا یعنی شبِ قدر، اس کو ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں سے افضل کر دیا اور جس مہینہ میں اس کو اتارا اس کو روزہ کا مبارک مہینہ قرار دیا اور اس میں اعمال کے درجات و فضائل میں بیحد اضافہ فرما کر اس کو رحمت اور مغفرت کا مہینہ بنا دیا۔

الغرض یہ کتاب نہایت عظیم الشان آسمانی رحمت ہے جس کا اندازہ اس وقت تک انسان نہیں کر سکتا، جب تک کہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی عظمت کے بارے میں فرمایا ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا

مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۵۹/۲۱)۔
اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اُتار دیتے، تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے لرز اُٹھتا اور پھٹ جاتا۔

حقیقتِ حدیث

لیکن کتاب کے لئے معلّم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے جس طرح قرآن کی تبلیغ کا فرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔ اسی طرح اس کی تعلیم بھی آپؐ ہی کے ذمہ تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھا دیا، یاد کرا دیا، اچھی طرح سمجھا دیا اور خود اس کے جملہ احکام پر عمل کر کے دکھا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ حقیقت میں قرآن کی عملی اور قولی تفسیر تھی۔ آپؐ کے انہیں اقوال یا اعمال کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ حدیث کا سرمایہ اُمت میں بسلسلۂ روایت منقول ہوتا چلا آیا اور ہجرتِ نبویؐ کے تقریباً ایک صدی کے بعد کتابوں میں مدوّن ہونا شروع ہوا۔

قرآن وحدیث میں فرق

اب قرآن اور حدیث میں جو فرق ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۱) قرآن کلامِ الٰہی ہے اور حدیث رسولؐ اللہ کے قول یا عمل کے بیان کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن کا سرچشمہ لوحِ محفوظ ہے اور حدیثیں جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا قول ہے، پیغمبرؐ نے خود قرآن سے مستنبط فرمائی ہیں۔

(۳) قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حفاظت کے ساتھ لکھوایا اور لوگوں کو یاد کرایا اور حدیثوں کو نہ لکھوایا نہ یاد کرایا، بلکہ عام حکم آپؐ کا یہ تھا کہ (لَا تَكْتُبُوا عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْاٰنِ)۔ مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔

(۴) قرآن بعینہٖ اُنھیں الفاظ میں ہے جن میں وہ عرش سے نازل ہوا اور جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سنایا اور حدیث کا زیادہ تر حصہ بالمعنی روایت کیا گیا ہے یعنی راویوں نے اپنے الفاظ میں مضمون کو ادا کیا ہے۔

(۵) قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے اور حدیث کی حفاظت راویانِ حدیث کے ذمہ ہے۔

(۶) قرآن کے لفظ لفظ کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قطعی اور یقینی ہے لیکن حدیثیں بجز اُن روایتوں کے جو متواتر تسلیم کی گئی ہیں باتفاق محدثین ظنّی سے آگے نہیں بڑھتیں۔

(۷) قرآن میں ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ کوئی بڑھا سکتا نہ گھٹا سکتا ہے بخلاف اس کے ہزاروں جھوٹی اور غلط روایتیں لوگوں نے گھڑ کر حدیثوں میں شامل کر دیں، جن کی وجہ سے ائمہ حدیث کو علم الاسناد اور فنِ رجال مدوّن کرنا پڑا اور بڑی دقت پیش آئی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں میں دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً قرآن کی تلاوت کا حکم ہے اور حدیث کی تلاوت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ قرآن نماز میں پڑھا جاتا ہے، لیکن اس کے بجائے حدیث پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ قرآن معجزہ ہے اور حدیث معجزہ نہیں ہے۔

قرآنِ مجید کے ان تمام امتیازات کو دیکھنے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ وہ دینِ اسلام اور تعلیمِ الٰہی کا ایک مکمل اور بے شائبہ مجموعہ ہے۔ اُمّت کے ان فرقوں پر تعجب آتا ہے جو حدیث کے مرتبہ کو قرآن کے برابر رکھتے ہیں خاص کر ان لوگوں پر اور حیرت ہوتی ہے جو تعارض کی صورت میں کبھی کبھی حدیثوں کو قرآن کا ناسخ قرار دیدیتے ہیں۔

اصل دین قرآن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اصل دینِ اسلام صرف قرآن ہے۔ وہ معیّن الفاظ میں حفاظت کے ساتھ اللہ کے پاس سے اُترا ہے۔ اس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مطلق تصرّف کا اختیار نہ تھا، لیکن اس کو سکھلانے اور سمجھانے اور احکام کو نافذ اور رائج کرنے میں ہدایات اور احکام کی ضرورت تھی جو حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت پیغمبر نے دیئے۔ ان ہدایات اور احکام سے جو کام لیا جا سکتا ہے وہ صرف قرآن کی تشریح اور تفسیر ہے نہ کہ تنسیخ اور ترمیم۔

(جاری ہے)

قاسم نوری

ابتدا ہوتی ہے تیرے نام سے

یہ طریقہ اب روایت بن گیا ہے کہ پروگرام کسی بھی نوعیت کا ہو۔ اس کا آغاز بہرحال تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ہم نے سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یا ایسا کیوں ضروری ہے؟ مجھے یقین ہے اکثر نے نہیں سوچا ہوگا۔ بس چونکہ یہ ہوتا آرہا ہے اس لئے یہی ہوتے رہنا چاہیئے۔ اس سے انحراف گناہ کے مترادف ہے —— اسی کو تو روایت پرستی کہتے ہیں اور اسلاف پرستی کہتے ہیں۔ یعنی یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ بس جیسا بڑوں بزرگوں کو کرتے دیکھا خود بھی اس کو اپنا معمول بنالیا

آیئے تجدیدِ روایت سے پہلے یہ بھی جان لیں کہ کل ایسا کیوں ضروری تھا اور آج ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟

عربی زبان میں تلاوت کے معنی ہوتے ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ اس کا اتباع کرنا اور اس کی اطاعت کرنا۔ چونکہ کتاب میں دیئے ہوئے احکام کی اطاعت کرنے کے لئے پہلے کتاب کو پڑھنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے تلاوت کے عام معانی لئے جانے لگے "پڑھنا" اور پھر پڑھنا تک ہی تلاوت کے مفہوم کو محدود کردیا گیا۔ اتباع اور اطاعت کو اس سے دُور کردیا گیا۔ حالانکہ آج بھی محض پڑھنے کیلئے عربی زبان میں ایک لفظ عام استعمال ہوتا ہے۔ قرأت

بہرحال اس کا آغاز خود حضور پاکؐ کی ذاتِ اقدس سے ہوا تھا۔ پھر یہ رسول کی سنّت اور اسوہ کے طور پر صحابہؓ کرام کا معمول بن گیا۔ ہوتا کچھ یوں تھا کہ ہر مومن کی زندگی چونکہ خالصتاً قرآنی زندگی ہوتی تھی اور اس کا کوئی کام، قانونِ الٰہی کے دائروں سے باہر نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا جب بھی وہ کسی نئے کام کی ابتداء کرتا تھا یا اجتماعی طور پر کوئی پروگرام عمل میں لایا جاتا تھا تو اس پروگرام سے متعلق جو آیاتِ قرآنی سامنے ہوتی تھیں، باآوازِ بلند پڑھی جاتی تھیں۔ یہ ایک قسم کا عہد ہوتا تھا کہ ہم جو کام کرنے جارہے ہیں وہ اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کے قانون کی حدود کے اندر ہوگا۔ اس یقین دہانی کے ساتھ پھر عمل بھی ایسا ہوتا تھا اور اس کے نتائج بھی درخشندہ و تابندہ ہوا کرتے تھے۔ اقبال نے کہا تھا نا،

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان

یعنی مومن کی گفتگو، بات چیت، سوچ اور ہر ہر عمل میں اللہ کی دلیل، اللہ کا فیصلہ اور اللہ کا قانون شامل ہوتا ہے ـــــ اس کی ہر سانس، ہر لمحہ ربِ کریم کی وحی سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور یوں اللہ اس کی شہ رگ سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ دونوں لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کی پہچان بن جاتے ہیں۔ رب کے قوانین کی اطاعت۔ مومن کی شناخت بنتی ہے اور مومن کے عمل سے رب جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

تو یہ ہوا کرتا تھا تلاوت کا مقصد کہ اے لوگو! گواہ رہنا ہم اور ہمارا پروگرام سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے عین مطابق ہوگا اور ہم اس سے سرِ مُو انحراف نہیں کریں گے۔

کیا ؟

آج بھی تلاوت اسی لئے کی جاتی ہے؟

جس طرح خط شروع کرنے سے پہلے سرخط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم لکھنا رسم بن گیا ہے کہ اوپر اللہ کا نام لکھو اور نیچے وہ ساری باتیں لکھتے چلے جاؤ جو اللہ اور اس کے قانون کی ضد ہو۔ اس طرح بُرے سے بُرا کافرانہ اور مشرکانہ پروگرام کا بھی آغاز کرنا ہو تو تلاوت سے ابتدا کر دو اور سمجھ لو کہ اللہ "برکت" دے گا۔ گویا اللہ کی رضا کی یا اس کے قانون کے مطابق کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف برکت کی ضرورت ہے جس طرح اولاد کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ان کے والدین ان کے معاملاتِ زندگی میں شامل ہوں بلکہ ضرورت صرف اتنی ہوتی ہے کہ والدین صرف کفالت کرتے ہیں ـــــ تو کفالت ہوتی رہتی اور اولاد کے اعمال و کردار کی نگرانی و سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ سامنے ہے ـــــ اسی طرح اللہ کے قانون کی نگہداشت کے بغیر پروگراموں میں "برکت" ہوتی رہتی ہے۔ اور نتائج ہمارے آپ کے سامنے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

ہر وہ روائت جو واضح اور مثبت مفہوم و مقصد نہیں رکھتی یا وہ اپنی رُوح کھو بیٹھی ہے۔ اسے اختیار کرنے کا نتیجہ بھی کبھی مثبت برآمد نہیں ہو سکتا۔

مذہب

جب اپنی مملکت نہ ہو یا مملکت تو ہو لیکن اس میں الاسلام کو بطور نظامِ حیات اختیار نہ کیا گیا ہو۔ تو اس صورت میں اسلام، دین نہیں رہتا (عام اصطلاح میں) مذہب بن جاتا ہے۔ مذہب کا لفظ قرآن کریم میں نہیں اس لئے کہ الاسلام میں مذہب کا تصور ہی نہیں۔ مذہب میں اسلام یا دین سے مفہوم لیا جاتا ہے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق جیسے پوجا پاٹ، پرستش بندگی یا دیگر رسوم و مناسک کی ادائیگی کے ذریعے قائم کیا جاتا ہے۔ اس وابستگی کا تعلق محض عقیدہ سے ہوتا ہے اس سے زیادہ اس کی حقیقت کچھ نہیں ہو سکتی۔ مذہبی پیشوائیت دین کے اس پیکرِ بے روح اور جسدِ بے جان کو قائم رکھتی ہے کیونکہ اس سے ان کے مفاد وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ محض فریبِ تخیل ہوتا ہے جو حقائق کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ یہ دین کی ممی شدہ لاش ہوتی ہے جسے مردہ پرست ذہنیتیں تقدس کے تابوتوں میں محفوظ رکھتی ہیں۔ مذہب کیلئے چونکہ اپنی مملکت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ ہر مملکت اور ہر حکومت میں پنپتا رہتا ہے اور حکومتیں (اس کی آزادی دے دیتی ہیں۔ ہمیں انگریز کی حکومت میں بھی مذہبی آزادی حاصل تھی اور اب ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے لیکن کوئی حکومت دین کی آزادی نہیں دے سکتی کیونکہ دین تو اپنی آزاد مملکت قائم کرتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی نگاہوں سے دین کا تصور صدیوں سے اوجھل ہو چکا ہے اس لئے یہ بھی دیگر ان مذاہب کے تتبع میں اسلام کو مذہب کہہ کر پکارتے ہیں اور انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ (RELIGION) کرتے ہیں۔ اسلام بحیثیت الدین کے اس وقت دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ ہر جگہ (خواہ وہ مسلمانوں کی اپنی سلطنتیں ہوں یا مسلمان، غیر مسلموں کے زیرِ حکومت رہتے ہوں) یہ مذہب کی شکل میں موجود ہے۔

عدالتِ خداوندی کی میز پر

آج قرآنِ کریم کے علاوہ اور کوئی ضابطہ نہیں جس کے مطابق اقوامِ عالم کی موت و حیات کے فیصلے ہوتے ہوں (طلوعِ اسلام)

علی محمد چدھڑ۔ گوجرانوالہ

نیست ممکن جز بقرآں زیستن

انجنیئرنگ کے نقطۂ نگاہ کے مطابق کسی بیراج، سڑک، ڈرین یا نہر کے پراجیکٹ کو تصوّر میں نہیں لایا جا سکتا، جب تک اس کی سنٹرلائن قائم نہ کر لی جائے۔ تمام نقشہ جات ابتدائی طور پر سنٹرل لائن کے حوالے سے ہی تیار کئے جاتے ہیں اور اسی سنٹرلائن کو بعد ازاں موقع پر برجیوں اور PILLARS کی مدد سے مارک کر کے مستقل حیثیت دے دی جاتی ہے۔ پھر تمام پراجیکٹ کی تکمیل کے بعد گردشِ دوراں کے باعث کل کلاں کسی وقت بھی اس پراجیکٹ کی مرمت تجدید یا ری کنڈیشننگ کی ضرورت پڑ جائے ــــ یا مرورِ زمانہ کے باعث اس کے نشانات مدھم یا موہوم ہو جائیں تو پھر ان سب ضروریات کے لئے اسی سنٹر لائن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ کسی اجتماعی یا انفرادی تنازعہ کا فیصلہ ضرورت پڑنے پر اسی سنٹرلائن سے پیمائش کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ جو فیصلہ اس منظور شدہ ریفرنس لائن کے حوالہ سے کیا جائیگا، قانونی طور پر مروّجہ عدالتوں میں چیلنج نہیں ہو سکے گا۔

اسی قسم کی مثال ایک دوسرے رنگ میں یوں دی جاتی ہے کہ اس وقت انجنیئرنگ کے تمام منصوبوں کی تکمیل کے لئے سارے ملک میں جگہ جگہ LEVEL (سطح سمندر سے بلندی) کی معلوم قیمت (VALUE) مستقل اور پختہ PILLARS کے اوپر محفوظ کر دی گئی ہے۔ جب بھی ضرورت پڑے لیول کی نزدیک ترین VALUE سے کام چلایا جا سکتا ہے لیکن لیول کی یہ تمام VALUES ایک ہی سطحِ سمندر (MEAN SEA LEVEL) کے حوالے سے مقرّر کی جاتی ہیں اور جب بھی کسی غلطی کا امکان نظر آئے اسی MEAN SEA LEVEL کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔

قارئینِ کرام! اگر ان دو مثالوں میں سنٹرلائن یا MEAN SEA LEVEL کو نظر انداز کر کے اپنے اپنے مختلف حوالوں پر عمل درآمد شروع کر دیں تو ظاہر ہے انجنیئرنگ کا تمام سسٹم تلپٹ ہو کر رہ جائیگا اور ہر جگہ اُلٹی گنگا بہنے لگے گی۔ بدقسمتی ہماری کہ ہم اس وقت ایسا ہی کر رہے ہیں۔ یہ کائنات (طبعی اور انسانی دنیا) قدرت کی انجنیئرنگ (تخلیق) کا ایک عظیم اور بے نظیر شاہکار ہے۔ ظاہر ہے اس عظیم سسٹم

سسٹم (SYSTEM) کے خالق نے اس کی کارکردگی کے لئے کچھ اصول مقرر کر رکھے ہیں جن پر عمل درآمد اس کی کامیاب RUNNING کی ضمانت بن سکتا ہے۔ ایک موجد ایک ایجاد کرتا ہے لیکن ساتھ اس کی باقاعدہ WORKING کے لئے ایک GUIDE BOOK بھی تیار کر لیتا ہے جو اس ایجاد کو استعمال میں لانے والوں کے لئے راہنمائی کا کام دیتی ہے۔ اگر اس ایجاد کا استعمال ہم اس گائیڈ بک کے مطابق نہیں کریں گے تو یقیناً وہ مشین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور فائدہ تو درکنار اُلٹا اچھا خاصا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

یہ تو ہوئیں انسانی معیار کی محسوس شہادتیں جن کے نقصان دہ نتائج دیکھ کر کوئی بھی ان اصولوں کی خلاف ورزی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ لیکن اگر ان مثالوں کے مقابلہ میں ایسا مرکزی حوالہ یا ضابطۂ قوانین خود قادرِ مطلق کی طرف سے ہو تو اس کی خلاف ورزی انفرادی یا قومی سطح پر یقیناً خود کشی کے مترادف ہوگی۔ یہاں ایسی ریفرنس لائن یا گائیڈ بک خود قرآن کریم ہے، جو تمام بنی نوعِ انسان کے لئے قیامت تک روشنی اور راہنمائی کا سامان مہیا کرتی ہے اور جس کے احکام کی تعمیل کا دوسرا نام دین ہے۔ اس کے برعکس اس کی خلاف ورزی مذہب کا مقدس لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔

اب میں چند حقائق کے ذریعے یہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا کہ دین کیا کہتا ہے اور اس کی اضداد کا مجموعہ مذہب کس کس رنگ میں اس کی مخالفت کرتا ہے، تو سنیئے!

دین ــــ فرمانِ خداوندی ہے کہ:۔

> غور کرو کہ یہ لوگ اس قسم کے ضابطۂ حیات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اس رسول کا خود ساختہ ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اس قسم کا ضابطہ انسان بنا سکتا ہے تو اس دعوے کو ثابت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم (سارا قرآن نہیں) اس کی صرف ایک سورت کی مانند بنا کر دکھاؤ اور اس مقصد کے لئے تم خدا کو چھوڑ کر جس جس کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو (۱۰/۳۸)

مذہب ــــ مذہب نے روایات کے بل بوتے پر قرآن کے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور کہا کہ جبریل قرآن اور سنت (حدیث) دونوں لے کر نازل ہوتے تھے۔ آنحضرت کو سنت بھی قرآن کی طرح سکھاتے تھے۔ اس لحاظ سے مذہب وحی [وحی جلی (قرآن) ــــ اور ــــ وحی خفی (حدیث)] میں تفریق کا قائل نہیں۔ یعنی قرآن اور حدیث، دونوں وحی خداوندی ہیں اور دونوں میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ اس کے لئے

ایک روایت وضع کی گئی کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ مجھ پر قرآن بھی نازل ہوتا ہے اور مثلہٗ (اس کے ساتھ اس جیسی) ایک اور چیز (حدیث بھی) یوں مذہب نے قرآن کی ایک سورت تو درکنار پورے کے پورے قرآن کی مثل تیار کر کے رکھ دی۔

۲۔ دین ——— قرآن کہتا ہے:

۱ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں، خواہ اسے ضابطۂ قوانین، حق حکومت اور نبوت بھی کیوں نہ مل گئی ہو کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں میرے محکوم بن جاؤ۔ (۳/۷۹)

۲ اگر پیغمبر مرگیا یا مارا گیا تو کیا تم دینِ خداوندی سے ہی منحرف ہو جاؤ گے؟

۳ نفع یا نقصان قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ قرآن کی رُو سے دین اور اداروں، (مرکزِ ملت) کی اہمیت ہے شخصیات کی نہیں۔ خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، اور قانون کا اطلاق مساوی ہوتا ہے۔

مذہب ——— فقہ حنفیہ کی رُو سے سربراہِ مملکت پر قصاص کے سوا کسی جرم کی حد نہیں لگ سکتی

- آمرِ مطلق بادشاہ کو ظلّ اللہ (اللہ کا سایہ) کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔
- اشخاص پرستی مبالغہ کی حد تک جائز ہے بعض پیغمبروں کو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ خدا ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔
- مرحوم مقتدر ہستیاں قبروں میں تصرف فرماتی ہیں اور مختلف علاقوں اور شہروں پر حکم چلانے کے علاوہ لوگوں کی حاجتیں بھی پوری کرتی ہیں۔

۳۔ دین ——— قرآن نے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ کہہ کر انسانی تذلیل اور غلامی کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

مذہب ——— لیکن ہمارے مذہبی علماء وفقہا نے اس کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ آج جب دنیا کے سارے کفرستانوں میں غلامی ناجائز قرار پا چکی ہے۔ ملّتِ اسلام کے مرکز مکّہ اور دیگر اسلامی ممالک میں بردہ فروشی کی لعنت اب بھی جائز خیال کی جاتی ہے۔

۴۔ دین ——— ارشاد ہے:

اور ان میں سے اکثر لوگ ظن کے سوائے کسی اور چیز کا اتباع نہیں کرتے۔ یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اللہ خوب واقف ہے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ (۱۰/۳۶)

مذہب ــــــ حدیث اور فقہ دونوں ظن ہیں اور عملاً ہم انہی کی پیروی کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اس ظن کو قرآن کی مثل اور اسے منسوخ کرنے کا ایک ہی ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔

دین ــــــ قرآن کا اعلان ہے:۔

"یاد رکھو حق حکومت صرف خدا کو حاصل ہے" (۱۲/۴۰)

یعنی، صرف ضابطۂ خداوندی کو (جو کہ قرآن میں محفوظ ہے) مراد یہ ہے کہ دنیا میں اسلام صرف قرآنی قوانین نافذ کرنے سے ہی آسکتا ہے۔

مذہب ــــــ لیکن مذہب کی دنیا سے فقہ حنفیہ، فقہ جعفریہ، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ مختلف قسم کی شریعتوں کے حق میں آوازیں تو آتی ہیں لیکن قرآن کی بات کوئی نہیں کرتا، یا یہ بھی کوئی نہیں کہتا کہ انسانوں کے مرتب کردہ ان مختلف ضوابط کو کم از کم قرآن کی کسوٹی پر از سرِ نو پرکھ ہی لیا جائے۔

دین ــــــ قرآن کہتا ہے:۔

۱ لوگ اختلافات سے بچنے کے لئے قوانینِ خداوندی کا اتباع کریں۔ (۳۸/۲-۳۶)

۲ پارٹیوں اور فرقوں میں بٹ جانا، خدا کا سخت عذاب ہوتا ہے۔ (۶/۶۵)

۳ دیکھنا کہیں تم بھی ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا، جنہوں نے واضح تعلیمِ خداوندی (قرآن) کے آجانے کے بعد اختلاف کیا اور اس طرح فرقوں میں بٹ گئے۔ (۳/۱۰۵-۱۰۴)

۴ تم خدا کی طرف سے عطا کردہ اس محکم سہارے (قرآن) کو سب مل کر اجتماعی طور پر تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو (۳/۱۰۳)

مذہب ــــــ ایک وضعی روایت کے مطابق امت میں اختلاف رحمت بن جاتا ہے۔ ساری قوم شیعہ، اہلِ حدیث، دیوبندی، چکڑالوی، بریلوی وغیرہ لاتعداد فرقوں میں بٹی ہوئی ہے لیکن سوچنے اور شرم کرنے کی بجائے الٹا اس خلافِ قرآن تفرقہ بازی پر نازاں ہے۔ بعض من چلے حضرات حضورؐ کی اس حدیث کو ان کی ایک عظیم پیشگوئی کا درجہ بھی دے دیتے ہیں۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ جب بھی تم میں اختلاف پیدا ہو اسی قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرو لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس لعنت کو دور کرنے کے لئے ہم فقہ کے تمام آئمہ حضرات کی ذاتی رائے کو معتبر تو سمجھ لیتے ہیں لیکن قرآن کی بارگاہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ صحاح ستہ کی ورق گردانی تو کر لیتے ہیں لیکن قوانینِ خداوندی کے حضور پناہ لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ شیعہ حضرات کی احادیث کی کتابیں ہوں یا شیخ العربی کی تصنیفات۔ مذہبی مسائل میں آخری اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہیں، لیکن جوں جوں ہم غیر از قرآن حوالوں کی طرف لپکتے ہیں مزید اُلجھتے چلے جاتے ہیں۔

۷۔ دین ـــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

۱ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۲/۳۲)

۲ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (۲/۲)

۳ "یہ یقینی بات ہے کہ ہم نے ہی اس کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں "
دین کہتا ہے کہ قرآنِ کریم یقینی طور پر رب العالمین کی طرف سے ہی نازل کردہ ہے جس میں نہ بے یقینی ہے، نہ تذبذب اور نہ کوئی لفسیاتی الجھن اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مذہب ـــــ ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ اور مفہوم بھی خدا کی طرف سے ہے لیکن عجم کی سازش نے وضعی روایات کی رُو سے اس کی تردید کر دی۔ ان روایات کی رُو سے موجودہ قرآن حضور اکرم صلعم نے مرتّب نہیں کیا تھا۔ نہ اس کو لکھوایا تھا۔ صحابہ کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ نے ، عمرؓ نے، حضرت عثمانؓ نے یا زید بن ثابتؓ نے اسے لکھایا مرتّب کیا۔ جس میں غلطیاں بھی رہ گئیں حجاج بن یوسف نے اپنے زمانے میں گیارہ مقامات پر اصلاح کی۔ جہاں تک اس کی حفاظت کا تعلق ہے، تو یہ روایت ہے کہ رجم کے متعلق آیت ایک بکری کھا گئی تھی۔ لہٰذا وہ قرآن میں شامل ہونے سے رہ گئی۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ہم خود اپنی کتاب کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو غیر اس کے متعلق کیا کچھ نہ کہیں گے۔ یقیناً ایسی قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جو اتنی عظیم کتاب کا یہ حشر کرتی ہے۔

۸۔ دین ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"جو اپنے تمام فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتے انہیں کافر کہا جاتا ہے" (۵/۴۵)

مذہب ـــــ ہمارے مذہبی علماء نے زبانی طور پر کچھ ہی سہی، عملی طور پر کتاب اللہ کے مقابلے میں حدیث اور فقہ کی کتابوں کو کھڑا کر دیا ہے۔ ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی عام کر دیا ہے۔ کہ ان ہر دو ۲ مسالک کی کتب قرآنی فیصلوں اور احکام کو منسوخ بھی کر سکتی ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اوّل تو قرآنی آیات کی تاویل حدیث اور فقہ کے مطابق ہی کی جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو فیصلہ حدیث اور فقہ کے مطابق کیا جائے۔ امام اوزاعی کا قول ہے کہ : " قرآن اس سے زیادہ حدیثوں کا محتاج ہے جس قدر حدیثیں قرآن کی محتاج ہیں (مختصر بیان العلم ص۲۲۳) ۔ جہاں تک حدیث کے مقابلہ میں قرآن کے حکم کی منسوخی کا تعلق ہے تو علامہ حافظ محمد ایوب مرحوم لکھتے ہیں :۔

نبی کے قول کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے مطابق ہو۔ تب حجت ہو اور

مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے...... اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ (۲/۱۸۰) تمہارے اوپر والدین کے لئے وصیت فرض ہے۔ اگر کسی نے مال چھوڑا ہے۔ جبکہ اسے موت آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ۔ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ اور تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اس حدیث پر رہا ہے۔ یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔ حدیث نے قرآن کو منسوخ قرار دے دیا اور قول رسولؐ قرآن کی آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا۔ (فتنۂ انکار حدیث صـ۸۵)

یہاں اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو خلاف قرآن حکم دے کر نبی کا کونسا مقام رہا۔ استغفراللہ۔ دیدہ دلیری کی حد ہو گئی ہے۔ رسولؐ کی طرف منسوب ایک وضعی روایت کی بنا پر قرآن کے ساتھ مذاق صرف علامہ حافظ محمد ایوب مرحوم ہی کر سکتا ہے۔ یہ تو تھا قرآن کے ساتھ مذاق رسولؐ کے نام پر۔ اب ایک اور مثال سامنے آتی ہے، جس میں قرآن کے ساتھ مذاق خدا کے نام پر کیا گیا ہے۔ وہ یوں ہے کہ قرآن میں زنا کی سزا سو کوڑے ہے۔ لیکن مذہب نے اس میں تبدیلی یہ کر دی کہ کنوارے کے لئے تو واقعی سو کوڑے ہیں لیکن شادی شدہ کے لئے رجم کی سزا ہے۔ جب پوچھا گیا کہ یہ کہاں سے آگئی تو بتایا کہ اس کے متعلق باقاعدہ ایک آیت نازل ہوئی تھی، لیکن وہ بکری کھا گئی تھی۔ لہٰذا یہ حکم گو قرآن میں نہیں ہے لیکن اس پر عمل درآمد بطور خدائی حکم ہونا چاہیئے۔

دیکھ لیا آپ نے قرآن کے ساتھ مذاق خدا کے نام پر۔ انہی مذہبی پیشواؤں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"وہ اپنی طرف سے فتوے لکھتے ہیں اور پھر انہیں حقیر سی رقم کے عوض لوگوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے، یہ شریعت الٰہیہ ہے اور خدا ان سے کہتا ہے کہ وہ جو کچھ یہ لوگوں کو لکھ کر دیتے ہیں وہ بھی تباہ کن ہوتا ہے اور اس طرح یہ جو کمائی کرتے ہیں وہ بھی تباہ کن" (۲/۷۹)

بہر حال ہم قرآن کی خلاف ورزی کی جرأت تو کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا کے فرمان کے مطابق کافر کہلانے کا حوصلہ نہیں پاتے اور تقدیس کی کرسی کے ساتھ پھر بھی چمٹے رہتے ہیں۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ راویوں کی اہمیت نبیوں سے اور روائتوں کا درجہ قرآنی آیات سے بلند کر کے بھی ہم مسلمان کے مسلمان ہی رہتے ہیں۔ فقہ کے ائمہ کرام اور صحاح ستہ کے مرتب کنندگان کی خدمات اسلام کے لئے قابل قدر ہی سہی لیکن کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے انہی اسلاف کے نقوش کو دین سمجھ لینا خدا کی رضامندی میں شامل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کہتا ہے :-

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کتاب کا اتباع کرو جسے خدا نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اپنے اسلاف کے نقوشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔" ..... (۲/۱۷۰)

یہ ہے ہمارے کردار کا صحیح نقشہ جو آج سے چودہ سو سال قبل قرآن نے کھینچا تھا۔ آج مذہب ہماری رگ رگ میں خون کی طرح سرائت کر چکا ہے۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا، پینا۔ مرنا جینا دین کے برعکس، مذہب کا ترجمان ہے، جس کی زنجیروں کو توڑنا تو درکنار اس کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔ حضور نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد خدا نے یہ بتایا ہے کہ

"وہ ان زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آ رہی تھی اور ان بوجھل سلوں کو اس کے سر سے اتار دے گا جن کے نیچے وہ کچلی جا رہی تھی۔" (۷/۱۵۷)

قرآن نے جن سلوں کو اتارا تھا اور جن زنجیروں کو توڑا تھا، آج وہی ہم پر مسلط ہو چکی ہیں۔ یہ سلیں اور زنجیریں نظامِ سرمایہ داری، ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ تینوں لعنتیں حاملِ قرآن قوم میں دیگر اقوام کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہیں۔ تمام اسلامی ممالک شدید قسم کی ڈکٹیٹرشپ میں جکڑے ہوئے ہیں۔ انسانی حقوق کا بین الاقوامی کمیشن شاکی ہے۔ یہ ممالک انسانی حقوق کی سب سے زیادہ مٹی پلید کر رہے ہیں۔ سرمایہ داری کا یہ حال ہے کہ ایک اخباری اطلاع کے مطابق شاہ فہد اور سلطان برونائی دنیا کے امیر ترین انسان ہیں، مذہبی پیشوائیت خلافِ قرآن من مانی کاروائیوں میں مصروف ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ کوئی دم مار سکے۔ مولانا حضرات منبروں پر کھڑے ہو کر خلافِ اسلام کو عین اسلام اور حرام کو عین حلال ثابت کرنے میں شرعی سندات مہیا کر رہے ہیں۔ عائلی قوانین پر تو انہیں وہ عبور حاصل ہے کہ راہ چلتی خواتین کا نکاح توڑ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ وفاقی شرعی عدالتیں دن رات خلافِ اسلام سزائیں سنانے میں مصروف ہیں۔ ہزاروں بے گناہ انسانوں کے سر ملا کے ایک اشارے پر قلم کر دیئے جاتے ہیں۔ نہ داد نہ فریاد اور نہ وکیل نہ اپیل۔

یوں تو تمام اسلامی ممالک میں یہی کچھ ہو رہا ہے، لیکن ایران اور سعودی عرب کی مثالیں خاص طور پر ہمارے سامنے ہیں۔ دونوں ممالک میں دین نہیں، مذہب اپنی انتہائی کٹر اور متعصب شکل میں رائج ہے۔ سیاسی اور انتظامی امور حکمرانوں کے ذمے ہیں اور باقی مذہبی معاملات اور حدود مولانا اور مفتی حضرات کے اختیار میں ہیں۔ فقہ جعفریہ اور تصوف کے متعلق کتب کو ایران میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ شیخ اکبر کی تصنیف فصوص الحکم کو تو وہاں سرکاری حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب میں احادیث

کتب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو وہی مرتبہ حاصل ہے، جو قبل ازیں علامہ حافظ محمد ایوب مرحوم کے حوالہ سے
ان ردیا گیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اندازِ فکر جو ایک دوسرے کی ضد ہیں عرب اور ایران
رائج ہیں اور ان دونوں اسلامی ممالک میں عین اسلام خیال کئے جاتے ہیں، یعنی یہ بھی اسلام اور وہ
بھی اسلام۔ بہرحال ایک مشترکہ FACTOR جو ان دونوں بلکہ تمام اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہے وہ
ہے۔ کہ قرآن کو سنٹرلائن کی پوزیشن کسی بھی جگہ حاصل نہیں ہے۔ یہی حال اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے
والے ہمارے ملک پاکستان کا ہے۔ یہاں بھی مذہب مختلف اضداد کے مجموعہ کی شکل میں کار فرما ہے۔
پسے دس سال تک قیام پاکستان کی مخالفت کرنے والی یہ مذہبی پیشوائیت اب سارے ملک کی ٹھیکیدار بنی
ہوئی ہے۔ اس کے اشارے کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ تشدد اتنی کہ سیاسی لیڈروں کے علاوہ
پریس بھی لرزاں ہے۔ جناب ارشاد احمد حقانی صاحب ایک معتدل مزاج سینئر صحافی ہیں۔ جمعہ ۹ مارچ
۱۹۹۱ء روزنامہ جنگ کے اڈیٹوریل PAGE پر فرماتے ہیں۔ الفاظ ملاحظہ فرمائیں :۔

"سابق صدر جنرل ضیاء الحق کی بنیاد پرستی اور نام نہاد اسلام پسندی نے اور کوئی نتیجہ پیدا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ضرور نکلا ہے کہ مذہب اور اہلِ مذہب کے حوالہ سے ایک انتہاپسندی قوم کے عمومی مزاج کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ جونہی کوئی شخص مذہب کے نام پر کام کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے، ساتھ ہی اپنے مخالفین کے لئے انتہاپسندی کا رویّہ اپنالیتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں مذہبی جنون نے ایک وبائی شکل اختیار کر لی ہے اور جس شخص کے مذہبی عقائد اور معلومات سے ذرا سا بھی اختلاف کیا جائے وہ مرنے مارنے پر تیار ہوجاتا ہے۔ پریس کی آزادی بھی اسی انتہاپسندانہ رویّہ کی وجہ سے خطرہ میں پڑ چکی ہے۔ جمہوری حکومت کے قیام کے بعد پریس کے کام میں سرکاری مداخلت تو بے انتہا کم ہوگئی ہے لیکن بعض مذہبی گروہ اور تنظیمیں بات بات پر جبر اور کلاشنکوف کا ہتھیار استعمال کرنے کی عادی ہوگئی ہیں۔
ابھی لگلے روز ایک سیاسی تنظیم نے جس کے سربراہ ایک مذہبی سکالر (علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہرالقادری) ہیں۔ لاہور میں ایک ریلی کا اہتمام کیا۔ ریلی کا مقصد نیک تھا۔ لیکن پارٹی کے سربراہ نے دھمکی دی کہ اگر ان کے جلسے کو دس منٹ تک ٹی۔ وی میں نہ دکھایا گیا اور اخبارات نے اس کی چھ چھ کالمی سرخیاں نہ لگائیں تو متعلقہ اداروں کی خیر نہیں"

یہ ہے مذہبی ذہنیت کا ایک نمونہ جو آج کل پاکستان میں کارفرما ہے۔ دراصل ہمارے مولانا حضرات نے

مذہب کے چوغہ میں اپنے آپ کو اتنا مقدّس بنالیا ہے کہ انہیں یا ان کی کسی بات کو جھٹلانا دراصل خدا اور رسول کے فرمان کو جھٹلانے کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو بزعم خویش اپنا محکوم و فرمانبردار سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ قرآن ایسے حضرات کو متنبہ کرتا ہے کہ:-

> کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں خواہ اسے ضابطۂ قوانین اور اقتدارِ امور حتیٰ کہ نبوت تک بھی کیوں نہ مل چکی ہو کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں میرے محکوم و فرمانبردار بن جاؤ۔ (۳/۷۸)

افسوس کہ یہ آواز اب قرآن کے اندر ہی اندر خاموش ہو کر رہ گئی ہے اسے باہر نکالنے اور سنانے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ آپ صبح اٹھیں، ممکن ہے آپ کے کان قرآنی آواز سننے کے خواہاں ہوں۔ لیکن مساجد سے آپ کو بابا بلھے شاہ اور سیف الملوک ہی سننے کو ملے گا۔ اور تو اور اس قسم کا صوفیا کارِ ثواب اور برکت کا مظاہرہ تو اب حکومتی سطح پر بھی دیکھنے میں آرہا ہے۔ صدرِ مملکت سے وزیرِ اعظم تک اور گورنر سے وزیرِ اعلیٰ تک اپنی حلف برداری کے بعد سب سے پہلے مزاروں پر حاضری اور پھولوں کی چادر اشد ضروری سمجھتے ہیں۔ مختلف تقاریب اور عرس کے موقع پر ملکوں کے حساب سے عرق گلاب انڈیلا جاتا ہے۔ آپ اپنی کسی سال کی ڈائری دیکھ لیں سال میں اگر ۳۶۵ دن ہیں تو دو اڑھائی سو کے قریب عرسوں کے لئے ضرور مخصوص ہونگے۔ ائر مارشل (ریٹائرڈ) جناب اصغر خاں سے جب ایک اخباری نمائندے نے پوچھا کہ آپ کی پارٹی انتخابات میں کیوں کامیاب نہیں ہوئی تو ان کا برجستہ جواب یہ تھا۔ کہ مزاروں کے مقابلے میں میرے پاس ایک قبر بھی نہیں تھی۔ (۹۰/۳/۱۱) اتنا بڑا ایئر مارشل اور پارٹی کا سربراہ مذہب کے مقابلہ میں کتنا بے بس نظر آتا ہے۔

میں صاحب اقتدار حضرات سے بڑے ادب کے ساتھ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ یہ مملکت خداداد دینِ اسلام اور قرآن کے نفاذ کے لئے حاصل کی گئی تھی۔ قائدِ اعظمؒ کے فرمان کے مطابق یہاں مولوی کے مذہب کی بجائے حضورؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے کا دین نافذ کرنا تھا۔ یہ وہ تجربہ گاہ تھی جہاں امت واحدہ کی تشکیل نے ساری دنیائے اسلام کو ایک لڑی میں پرونا تھا آدھا ملک تو چلا گیا، اب باقی آدھے میں اگر چار قومیتوں اور اپنی اپنی شریعتوں کا راگ الاپنا تھا تو کیا ضرورت تھی اس جغرافیائی تقسیم میں پڑ کر اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی۔ صلوٰۃ۔ زکوٰۃ کی اجازت تو اکھنڈ بھارت میں بھی تھی اور ہے۔ دراصل پاکستان ایک تجربہ گاہ تھی ضابطۂ خداوندی کے اجراء کی۔ قائدِ اعظمؒ نے مفتی محمود یا اس کے فرزندِ ارجمند کی لیڈری چمکانے کیلئے اتنا بڑا کام نہیں دیا تھا۔ کوئی خواہ کچھ کہے یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ دین ضابطۂ خدا

کے اندر ہے فقہ یا روایات کا نام دین ہرگز نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسلاف کے اتنے قیمتی ورثہ کو نظر انداز کرنے کی بجائے بارگاہِ قرآن میں پیش کر دیا جائے۔ پھر جو بھی فیصلہ ہو اس کے مطابق موتی چن لئے جائیں۔ بہرحال یہ کسی علامہ یا مفتی کا کام نہیں ہے، حکومتِ مملکتِ خداداد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام انقلابی اقدام اٹھائے جس سے مذہب، دین اسلام میں بدل جائے۔ اس سلسلہ میں دنیا کے تمام بین الاقوامی سکالرز سے مدد لی جا سکتی ہے۔ قرآن پر ریسرچ کر کے ایک متفقہ ترجمہ اور مفہوم کی تیاری ہماری ذمہ داری ہے۔ موجودہ مختلف مسالک اور مذہبی فرقوں کے جو تدریسی ادارے چل رہے ہیں وہاں ایک یونیفارم (UNIFORM) اور متفقہ نصاب بھی اشد ضروری ہے۔ T.V. اور ریڈیو پر یہ جو شاہ حسین اور بابا فرید کے عارفانہ کلام کے ذریعے قوم کو تصوف کی افیون کھلائی جا رہی ہے، کا سلسلہ یکسر ختم کر دیا جائے۔ یاد رکھیں تصوف بقول علامہ اقبال۔ اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے۔ اس سے خانقاہوں میں مجاور اور مراقبے کے صوفی تو پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن دین کے انقلابی پروگرام کے تحت مجاہد اور غازی پیدا نہیں ہو سکتے۔ اقبالؒ سے پہلے قرآنی نگاہ رکھنے والے مردِ مومن سرسید علیہ الرحمۃ نے ان اجارہ دارانِ روحانیت کے متعلق کہا تھا کہ:-

"مسکینی اور انکساری ان کو آسمان پر چڑھاتی ہے اس لئے یہ اور زیادہ مسکین و منکسر بنتے ہیں۔ سادہ لوحی پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں اس لئے یہ اور زیادہ سادہ بنتے ہیں۔ دنیا سے نفرت ان کو دنیا دلاتی ہے اس لئے یہ اور زیادہ بے طمع ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان کی ہر بات پر آمنّا و صدقنا کہتے ہیں اس لئے ان کے دل میں دوسروں کی ہر بات کی حقارت جمتی جاتی ہے"

برادرانِ اسلام! ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "تمہاری طرف من جانب اللہ ایک نور آگیا، یہ کتاب مبین ہے"۔ (۵/۱۵) ——— ایسی درخشندہ کتاب اپنے مفہوم کے لئے خارجی سہاروں (روایات) کی کیسے محتاج ہو سکتی ہے۔ ایک آفتاب پوری کائنات کو روشنی بانٹتا ہے اسے خود ساختہ چراغوں کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

اسلام ایک خدا کا عطا کردہ دین ہے اور مذہب ہمارے مذہبی پیشواؤں کا عطا کردہ اور خود ساختہ ہے۔ اب دونوں میں فرق کرنے والی نگاہ سوائے قرآن کے اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اقبالؒ نے فرمایا:-

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

رات کی تاریکی کی موت طلوعِ سحر کے بعد ممکن نہیں۔ موجودہ کائنات کے اندھیرے اسی نُور کے طلبگار ہیں جو پیغمبرِ آخرالزماں پر آج سے چودہ سو سال قبل نازل ہوا تھا۔ قرآن انسانی عمل کی عمارت مستقل اقدار پر استوار کرتا ہے جو سوائے قرآن کے اور کہیں بھی میسّر نہیں۔ زمانے کے حالات ایسے پیدا ہو چکے ہیں کہ اس خطۂ زمین پر حقیقی اسلام کا احیاء قریب تر دکھائی دے رہا تھا۔ مغرب کی ترقی یافتہ دنیا تسخیرِ کائنات میں اتنی آگے جا چکی ہے کہ وہ اس کے لئے بلائے جان بن چکی ہے اور نہیں جانتی کہ اب کیا کرے اور اپنی اس تسخیر کو بنی نوعِ انسان کی بھلائی کیلئے کیسے استعمال کرے۔ ایسا زندگی بخش اور بے لوث پیغام اس وقت قرآن اور صرف قرآن کے پاس ہے۔

آج انسان کے ہاتھوں انسانیت تڑپ رہی ہے۔ وقت کے فرعونوں، قارونوں اور ہامانوں نے ایک دفعہ پھر دنیا کو جہنّم بنا دیا ہے۔ بنی نوعِ انسان عصائے موسوی کی طالب ہے۔ ہزاروں ابوجہل اور بولہبِ خدا کی مخلوق کو جہالت اور بربریت کے گھُپ اندھیروں میں پھینکنے کے لئے تُلے بیٹھے ہیں۔ یہ اب ہمارا فرض ہے کہ شمعِ قرآنی اور چراغِ مصطفوی کے ساتھ ان عفریتوں کا مقابلہ کریں۔ دنیا سسک رہی ہے۔ بلا واسطہ یا بالواسطہ قرآن پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ جاگیریں، بادشاہتیں اور غلامی کی لعنتیں بھی ختم ہو رہی ہیں۔ انسانی حقوق کا منشور بین الاقوامی آئین کا حصّہ بن چکا ہے۔ زمانے کے تقاضے ہم سے قرآن مانگ رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ صحیح مزاج شناس بن کر دنیا کے سامنے نہایت احسن طریقے سے قرآن پیش کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہماری جگہ خدا کوئی بہتر قوم لے آئے گا، اور خدا کے لئے یہ ذرا بھی مشکل نہیں۔ لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ دنیا کی ہر شئے کو ہم قرآن کی روشنی میں دیکھیں جو کہ اس جہان کی اہم ضرورت ہے۔ اگر یہاں قرآن نہ آسکا تو شیطانی قوتوں کے ہاتھوں یہ جہان ویران ہو جائے گا۔ دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی آج بھوک پیاس سے بلک رہی ہے۔ بچے سسک سسک کر اپنی مجبور و بے بس ماؤں کی گود میں دم توڑ رہے ہیں۔ کروڑوں انسان وطن اور مذہب کے دیوتا کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ظالم دھاڑ رہے ہیں اور مظلوم چیخ رہے ہیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ اس نام نہاد مہذب دنیا میں جنگل کا قانون نافذ ہے نفسا نفسی کے اس عالم میں قرآن ہی انسانیت کا مشکل کشا اور دادرس بن سکتا ہے۔ وہی تمام بیماریوں کا مسیحا ہے۔ وہی ملوکیت، سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کی گردن مروڑ سکتا ہے۔ یتیموں بے کسوں اور بے نواؤں کا وہی غمگسار اور ہمدرد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جب تک ہم نفاذِ قرآن کو بطور مشن نہیں اپنائیں گے یہ دنیا جنّت نہیں بن سکے گی۔ اس وقت اسلام کا کوئی واضح اور متعیّن تصوّر نہیں۔ ہر گروہ، ہر فرقہ بلکہ ہر فرد اسلام کے متعلق اپنا جداگانہ تصوّر پیش کر رہا ہے۔ عجمی افسانوں نے اسلام کو چیستاں بنا دیا ہے۔

البتہ ان حالات میں قرآن ہی وہ زندہ و پائندہ حقیقت ہے جو ان دھندلکوں کو دُور کر کے انسانیت کا مستقبل روشن کر سکتی ہے۔ اگر ہم نے اسے نہ اپنایا تو یہ سعادت کوئی اور قوم حاصل کرے گی اور ہم منہ دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ ٹھیک ہے یہ مردہ پرست قوم زندہ انسانوں کی بات نہیں سنا کرتی، لیکن اگر سرسید، اقبالؒ اور پرویزؒ اس پیغام کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر سکتے ہیں تو ہمیں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہمیں جائیے کہ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔ مذہب کے یہ بڑے بڑے علمبردار ہمارے متعلق کیا خیال کریں گے۔ یہ بھی نہیں ہوگا۔ ہمارے عزم و حوصلہ اور استقلال سے انشاء اللہ کامیابی کی نئی نئی راہیں پیدا ہوتی جائیں گی۔ جوں جوں بنی نوعِ انسان کو اپنے مسیحا کے نسخوں کا پتہ چلتا جائے گا۔ لوگ جوق در جوق قرآنی نظام کے جھنڈے تلے بطیبِ خاطر جمع ہوتے جائیں گے۔ یہ جھنڈا جس کے اگر ہم علمبردار ہو گئے تو دنیا میں امن و امان اور تکریم انسانیت کا ضامن اور انسانیت کے تمام دکھوں کا ملجا و ماویٰ بن جائے گا۔

اگر ہم نے ایسا کر لیا تو یقین جانئے، بقول علامہ اقبالؒ

آسماں ہوگا سحر کے نُور سے آئینہ پوش
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

قرآن میں ہے

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر مال و دولت (دوسروں کی پرورش کے لئے) دے دیں۔ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)۔ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہو۔

رسول اللہ نے فرمایا:

لَا یَقْتَسِمَ وَرَثَتِی دِیْنَارًا۔ مَاتَرَکْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِیْ وَ مُؤْنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

(بخاری، جلد ۴، صفحہ ۱۰۱، کتاب الفرائض)

میرے ورثا میں ایک دینار بھی بطور ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کی خوراک کے بعد جو کچھ بھی بچے صدقہ ہوگا۔

یقین افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے

قارئین کو یاد ہوگا کہ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خان صاحب کا ایک مضمون بعنوان "یقین افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے" مجلّہ طلوعِ اسلام کے ستمبر ۹۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ صاحبِ مضمون نے اس مضمون کی نقل وزیرِ اعظم پاکستان کی خدمت میں بھی ارسال کی تھی۔ بریگیڈیئر صاحب کا خط اور وزیرِ اعظم پاکستان کا جواب، طلوعِ اسلام میں شائع کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین جان سکیں کہ مضمون نگار کے مرکزی خیال سے اتفاق فرماتے ہوئے وزیرِ اعظم صاحب نے بھی محسوس فرمایا ہے کہ قوم جس ذہنی انتشار اور عملی خلفشار میں مبتلا ہے۔ اس کا واحد علاج قوم میں نئی روح پھونکنا اور اس میں اجتماعی زندگی اور مسلم قومیت کا شعور پیدا کرنا ہے۔

اس علاج کے لئے ظاہر ہے ہمیں تجدیدِ مقصد کرنا ہوگی اور قوم میں نئی رُوح پھونکنے کے لئے دین کا عملی مفہوم قوم کے سامنے لانا ہوگا اور قارئین شاہد ہیں کہ طلوعِ اسلام ۱۹۳۸ء سے یہی خدمت سرانجام دیئے چلا آ رہا ہے۔

مدیر طلوعِ اسلام

جناب میاں نواز شریف صاحب،
وزیرِ اعظم پاکستان،
پرائم منسٹر ہاؤس۔ اسلام آباد۔

"یقین افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے۔"

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

جب میں ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہوں، تو یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہمارے معاشرے کی آج حالت یہی ہو چکی ہے کہ

سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا اصلی مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ کیا دستور میں بارہویں ترمیم اس بگاڑ کے علاج میں مددگار ثابت ہوگی؟ یہی سوال میرے مضمون (الف ہذا) کا مرکزی نقطہ ہے، جو میں نے ۱۴ اگست کے حوالے سے لکھا ہے۔

ممکن ہے، میرا یہ مضمون آپ کو یاد دلائے کہ پاکستان کو مانگنے کا مقصد اور مفہوم تو کیا تھا اور ہم چل کس ڈگر پر رہے ہیں۔ والسلام دُعاگو اعزاز الدین خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

PRIME MINISTER

مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۱ء

محترم جناب اعزاز الدین احمد صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط ہمراہ آپ کے مضمون کے موصول ہوا۔ بے حد شکریہ۔ پاکستان کا ہر باشعور فرد اس بات کا معترف ہے کہ معاشرے میں ذہنی و عملی انتشار کی اصل وجہ ضعف ایمان ہے۔ ہمارا اپنا نظریہ حیات سے یقین اٹھ جانا ہی خرابی کی اصل جڑ ہے۔ جس کا واحد علاج پوری قوم میں ایک نئی روح پھونکنا ہے اور ان میں اجتماعی زندگی اور مسلم قومیت کا شعور پیدا کرنا ہے۔ انہیں بتانا ہے کہ ان کی تخلیق دنیاوی مفادات کے لئے نہیں کی گئی بلکہ ایک ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے کی گئی ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔**

معاشرے میں ایک عرصے سے رچی بسی برائی ختم کرنے کے لئے ہم اپنی بساط کے مطابق بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور بارہویں ترمیم بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ برائی کے خلاف ان کوششوں میں آپ بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

آپ کا بھائی

نواز شریف

(نواز شریف)

جناب بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خان
۴۳ ۔ ای' لاہور کینٹ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی
لاہور کینٹ

حقائق و عبر

۱۔ جماعت اسلامی کی جانب سے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش

جماعت اسلامی نے قیامِ پاکستان کی بھرپور مخالفت کی تھی، جسے پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے، لیکن جماعت اسلامی قیامِ پاکستان کے بعد سے تحریکِ پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس نے قیامِ پاکستان میں بھرپور حصّہ لیا۔ اسی سلسلہ میں جماعت اسلامی کے ہفت روزہ 'ترجمان' کی تازہ اشاعت میں یہ دعوٰے کیا گیا ہے:۔

"اس طرح نظریاتی محاذ پر مولانا مودودی مرحوم نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصّہ لیا اور وہ لوگ جو جماعت کے ساتھ وابستہ تھے یا وہ مولانا سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کے لٹریچر کو نہ صرف پڑھتے تھے، بلکہ ہضم بھی کرتے تھے اور اس کی تبلیغ بھی کرتے تھے، وہ لوگ مولانا مودودی مرحوم کی متذکرہ بالا تحریریں اور اس طرح کی دیگر تحریروں کے مطالعہ کے بعد نظریۂ پاکستان اور تحریک پاکستان کی نہ صرف تائید و ہمنوائی کرتے ہوں گے، بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بھی ادا کرتے ہوں گے۔

(ہفت روزہ ایشیا، بابت ۲۹ ستمبر ۱۹۹۱ء صـ۲۴)

مودودی صاحب نے یہ بھرپور حصّہ اس طرح لیا تھا کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے تک سے منع کر دیا اور یہ اعلان کر دیا:۔

"ووٹ اور الیکشن کے معاملے میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری

قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ وقتی مصلحت کی بنا پر، ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں، جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن، بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۸۹/۹۳)۔

پاکستان کے قیام کی اتنی سخت مخالفت کرنے کے باوجود، جماعت اسلامی کا تجاہلِ عارفانہ ملاحظہ ہو کہ اب وہ اپنے آپ کو تحریکِ پاکستان کا بانی ثابت کر رہی ہے۔

۲۔ لو وہ بھی کہتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ میں ۱۹۲۴ء تک زمین ریاست کی ملکیت شمار ہوتی تھی۔ یہ تمام علاقے مسلمانوں نے چونکہ بزورِ شمشیر فتح کئے تھے، لہٰذا تمام زمینیں خراجی قرار پائی تھیں۔ خراجی زمین کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ حکومت براہِ راست کاشتکار سے اس کا خراج وصول کرتی ہے اور ملک کے تمام دفاعی اور انتظامی اخراجات اسی خراج سے پورے کئے جاتے ہیں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کا زرعی نظام ازسرِنو رائج کیا جائے، موجودہ زرعی نظام کے تحت بٹائی کے معاملے کی وجہ سے کاشتکار سے جو بڑا حصہ زمیندار گھر بیٹھے وصول کرلیتا ہے، اسے درمیان سے ہٹا دیا جائے اور یہی خراج بیت المال میں جمع ہو۔ اس طرح خراج کی مد میں اتنی خطیر رقم جمع ہوجائے گی کہ ٹیکسوں کا موجودہ لعنتی نظام بھی ختم ہوجائے گا، جس نے ہر کاروباری آدمی کو جھوٹا اور بے ایمان بنا کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ انقلابِ اسلامی کے بعد پاکستان میں نیا بندوبست اراضی ہوگا، جو شخص زمین کاشت کرنا چاہے گا، اسے مطلوبہ رقبہ کاشت کے لئے دے دیا جائے گا اور اس سے نصف تک خراج لیا جاسکتا ہے۔ خراج کی مالیت کا آج کوئی شخص صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔

پاکستان کی اراضی کے بارے میں مَیں نے علماء سے بھی رائے لی ہے اور بہت سے علماء کو اپنا ہم خیال پایا ہے، لیکن وقت آنے پر علماء مصلحت کی وجہ سے خاموش رہنے کو ترجیح دیں، تو یہ دوسری بات ہے۔ اس کا تجربہ مجھے پہلے بھی لاہور کی ایک دینی درسگاہ کے حوالے سے ہوچکا ہے۔ اس مدرسے کے مفتیٔ اعظم کے صاحبزادے نے مجھے بتایا کہ ان کی رائے کے مطابق پاکستان کی تمام اراضی خراجی ہے، لیکن تنظیم اسلامی کے ایک ساتھی

نے جب اس کے بارے میں باقاعدہ فتوے طلب کیا تو ان مفتی صاحب نے کسی دوسرے مفتی صاحب سے فتویٰ دلا دیا کہ پاکستان کی زمینیں عشری ہیں۔ اس لئے کہ زمینداروں کو ناراض کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ کتمانِ حق کی ایک معمولی مثال ہے اور آج کے علماً کی اکثریت کتمانِ حق کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسوں اور جامعات کا سارا انتظام و انصرام تو ایسے ہی لوگوں کے دم قدم سے ہے۔ دار العلوموں کی جائیدادیں ایسے ہی تو وجود میں نہیں آگئیں۔ علماء کرام کو یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ اگر آڑھتی اور زمیندار ناراض ہو گیا، تو درس و تدریس کا کام کیسے چلے گا؟ لوگوں کو طہارت وغیرہ کے مسائل کون بتائے گا؟ اور ایسے عذر ہمیشہ سے دنیا میں موجود رہے ہیں۔

ہفت روزہ ندا، بابت ۳۰ ستمبر ۹۱ء سے اقتباس

کِتَابُ اللہ

رسول اللہ (صلعم) نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں (وفات سے تین ماہ قبل) فرمایا:

وَ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ
اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ — کِتَابُ اللہ۔

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جس سے اگر تم وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے — وہ چیز کتاب اللہ ہے۔

(مسلم۔ نسائی۔ ابوداؤد)

قرآنی تعلیم بچوں کے لئے

قاسم نوری

اچھی زندگی

السلام علیکم بچو! اکثر بچے پوچھا کرتے ہیں کہ ایک اچھا بچہ کیسے بنا جا سکتا ہے؟ یعنی وہ کون سی خوبیاں ہوں، جنھیں اپنا کر ایک اچھا بچہ کہلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے بہت سے "بڑے بچے" بھی پوچھتے رہتے ہیں کہ ایک اچھی اور کامیاب زندگی گزارنے کے لئے انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ ـــ مختلف لوگ اس کا جواب بھی مختلف دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے، زیادہ عبادت کرنے اور اللہ کو زیادہ یاد کرنے سے زندگی اچھی گزرتی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ انسانیت کے کام کرنے سے بہتر گزرتی ہے۔ کچھ کے نزدیک بزرگوں اور استادوں کی خدمت سے ہر سعادت حاصل ہوتی ہے اور کچھ کا جواب ہوتا ہے کہ بس محنت ہی میں عظمت اور بہتری ہوتی ہے ـــ

اپنی اپنی جگہ یہ سب جواب کتنے ہی درست ہی کیوں نہ ہوں لیکن سب سے مکمل اور اچھا جواب تو سب مومنوں کے لئے وہی ہوگا جو قرآنِ کریم سے ملے گا اور یہ بات تو آپ سب بچے اچھی طرح سے جان اور سمجھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی ایسی نہیں بنائی جس کے لئے پیمانہ (قدر ـــ اسی قدر سے لفظ تقدیر بھی بنا ہے) اور ضابطہ یعنی قانون نہ بنایا ہو۔ ہر چیز کے لئے قانون بنایا ہے جس کے مطابق وہ چیز اپنا مقصد پورا کر رہی ہے ـــ اسی طرح سے انسانی زندگی کے لئے بھی کچھ پیمانے اور ضابطے بنائے ہیں ـ تو جو فرد یا جو قوم بھی ان کے مطابق زندگی گزارے گی اس کی زندگی اچھی اور کامیاب گزرے گی اور جو ان ضابطوں اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو نظر انداز کر دے گی یعنی ان کے مطابق زندگی نہیں گزارے گی وہ خواہ کچھ بھی کر لے۔

عبادت کرے یا محنت، خدمت کرے یا کوئی اور کام۔ اس کی زندگی دوسروں کے لئے ریفرنس (REFERENCE) کبھی نہیں بن سکے گی۔

پیارے بچّو! پانی گرا دیا جائے، تو وہ جس طرف بھی راہ پائے گا، بہنا شروع کر دے گا۔ بہت سی چیزوں کو خراب کر دے گا۔ اُس کا کچھ حصّہ بے مقصد بہہ جائے گا اور کچھ زمین میں جذب ہو جائے گا لیکن اگر ہم پانی کے لئے راستہ یعنی نالی وغیرہ بنا دیں، تو یہی پانی نہ ضائع ہو گا نہ دوسری چیزوں کو خراب کرے گا، تو بچّو! یہ جو نالی یا راستہ ہم نے بنایا اسی کو تو پانی کے بہاؤ کو مفید اور کارآمد بنانا کہتے ہیں۔ آپ اسے پیمانہ، قانون یا ضابطہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

— تم نے ندی یا دریا کو تو دیکھا ہو گا — ٹھاٹھیں مارتا، بل کھاتا اور تیزی سے بہتا ہوا کس قدر بھلا لگ رہا ہوتا ہے۔ باغوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔ ہمارے لئے پھل اور اناج کا ذریعہ بنتا ہے۔ خوشی، خوشحالی تفریح اور پکنک (PICNIC) کا سبب بنتا ہے۔ گویا زندگی بخش یعنی زندگی بخشنے والا ہوتا ہے — اب سوچو کہ یہ کس طرح زندگی بخش یا نفع بخش ہوتا ہے — بھئی اس لئے نا کہ یہ دونوں کناروں کے درمیان بہہ رہا ہوتا ہے — اگر کنارے نہ ہوں یا یہی پانی کناروں سے اُچھل کر باہر آ جائے، تو زندگی دینے کے بجائے، زندگی لے لے۔ — تباہی، بربادی اور ہلاکت بن جائے — تفریح کے بجائے آنسوؤں اور ماتم کا سبب بن جائے — قرآنی اصطلاح میں ان کناروں کو حدود (LIMITS) کہتے ہیں۔ ہم یا ہماری زندگی ان حدود (LIMITS) کے اندر بہے، تو خود بھی مفید اور خوشی و خوشحالی کا باعث ہوگی اور اگر حدود فراموش ہو جائے، LIMITS کراس کر جائے تو تباہی و بربادی ٹھہرے گی۔ ہلاکت ہی ہلاکت بن جائے گی۔ لہٰذا ایک اچھی اور کارآمد زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے (یعنی زندگی بنانے والے نے) "وحی کے کنارے" بھی تعمیر کر دئے اور یہ وحی، قیامت تک کے لئے قرآنِ کریم کے اندر محفوظ بھی کر دی — تاکہ جو بچّہ، بڑا، فرد یا قوم اپنی زندگی کو بہتر بنانا چاہے وہ پریشان نہ ہو — دوسروں سے پوچھتا نہ پھرے۔ قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کرلے۔ اسے صحیح معنوں میں اچھی زندگی گزارنے کا یعنی جینے کا طریقہ اور سلیقہ آ جائے گا۔ گویا جو زندگی وحی کی روشنی اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور ہدایت کی پابند رہے گی، وہی ہر قسم کے دکھ، عذاب اور مصیبت سے آزاد ہو گی اور وہی اچھی اور مثالی زندگی کہلائے گی

محمد قاسم خاں ۔ میانوالی

میرے نام

"کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں"

یہ خوب صورت مصرع میری زندگی کا عنوان بن گیا، جب میں نے "سلیم کے نام خطوط" کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ قیامت خیز خطوط صرف مجھے لکھے جا رہے ہیں۔ ان کا ہر لفظ میرے لیے پیغام بیداری تھا۔

میں آج کے دور کا طالب علم ہوں زندگی میرے لئے انتہائی پریشان کن مسائل لے کر آتی ہے۔ تمدن عمرانیات، نفسیات، سائنس اور فلسفہ کے تحیّر بردوش حقائق میرے سامنے ہیں۔ میں مذہب کی تخلیق کردہ تفاسیر پڑھتا ہوں مگر ذہن الجھتا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

"آسمان کی طرف سے بارش ہوتی ہے"

تفسیر کہتی ہے کہ آسمان پر پانی کا ایک دریا موجزن ہے۔ دوسری وادی میں ایک کشادہ چھلنی لگی ہوئی ہے۔ یہ دریا جب اپنی حدود پھلانگ کر دوسری وادی میں داخل ہوتا ہے تو چھلنی سے چھن کر قطرہ قطرہ بارش ہوتی ہے۔

میرے دور کی سائنس ان باتوں کو غلط ثابت کر دیتی ہے اور میں اسلام سے برگشتہ ہونے لگتا ہوں۔ اچانک میرے پاس وہ خط آ جاتا ہے جسے میں وحی تو نہیں کہہ سکتا مگر وہ وحی کا ترجمان ضرور ہے۔ وہ مجھے سمجھا دیتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے الفاظ حق و صداقت پر مبنی ہیں ان کی فہم میں جو نقص واقع ہوتا ہے۔ وہ ہماری کوتاہیٔ ادراک ہے۔ اسی طرح کائنات اور اس کے معمولات کے متعلق بیسیوں شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

میں مروّجہ تفاسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ الجھنیں اور بڑھ جاتی ہیں۔ شکوک و شبہات اور زیادہ ڈسنے لگتے ہیں۔ ذہن اضطراب کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور پھر میرے نام ایک خط آ جاتا ہے۔ یہ خط اضطراب کے جہنم میں فردوس بداماں آتا ہے اور مجھے شک و ریب کی تمام پریشانیوں سے نجات دلا دیتا ہے۔ کوئی میرے محلۂ ذہن میں اپنے ریشمی پاؤں ٹکاتے ہوئے در آتا ہے اور مجھے یقین کی دولت سے سرفراز کر جاتا ہے۔

میں ہوں اور میری پریشان صدی کے سینکڑوں مسائل ہیں ۔ ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں "اخلاقیات

کیا ہے" "دین اور مذہب میں کیا فرق ہے" "عبادت کیا ہے" "ثواب کیا ہے"

غالبؔ کے الفاظ میں:

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

غرضیکہ اس طرح کے سینکڑوں سوالات ذہن کو مبتلائے عذاب رکھتے تھے۔ کبھی کسی دارالعلوم پر دستک دی کبھی کسی خانقاہ کا در کھٹکھٹایا، کبھی علماء کے عمامے دیکھ کر سر جھکایا، کبھی صوفیاء کی دہلیز کو بوسہ دیا اور اپنے ان سوالات کا جواب مانگا مگر مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا۔ ذہن آوارہ خرام ہو کر الحاد کی آغوش میں جانے لگا تو پھر ایک خط آگیا جو بظاہر لفظوں کا ایک مجموعہ تھا لیکن باطن میں تسکینِ قلب اور اطمینانِ ذہن کے ہزاروں جہان اپنے اندر پوشیدہ رکھتا تھا۔ یوں ان خطوط نے وہ معجزات (جوہر) دکھائے کہ میں زندگی اور اس کی حقیقی قدروں سے آشنا ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ "سلیم کے نام خطوط" میرے نام خطوط ہیں۔ آپ کے نام خطوط ہیں مغرب اور مشرق کے ہر اس انسان کے نام خطوط ہیں جو سوچتا ہے اور اپنی سوچ کو اپنا راہنما بنا کر پوری دنیا کی معاشرت اور عمرانیات پر تنقیدی نظر ڈالتا ہے۔ میری خوش بختی ہے کہ مجھے ان خطوط کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا اور میرے دور کے ہر نوجوان کی خوش بختی ہے کہ وہ مفکرِ قرآن علامہ **غلام احمد پرویز** مرحوم کے عہد میں سانس لے رہا ہے۔

ارشادِ قائدِ اعظمؒ

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ **امتیاز** ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع **خدا** کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں **اسلام** میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی و پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی کا نام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خواجہ ازہر عباس

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

وحی صرف قرآن میں ہے

(خارج از قرآن وحی کا تصور باطل ہے)

ارشادِ خداوندی ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (۶۰/۱)

اے مسلمانوں! تم میرے اور اپنے دشمن کو کبھی دوست نہ بنانا۔

نیز فرمایا:-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (۸/۶۰)

اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک تم سے ہو سکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو۔ اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور اس کے سوا دوسرے لوگوں پر بھی اپنا رعب جما لو گے۔

اپنے دشمن کو ہر شخص جانتا ہے، لیکن ان آیات میں اور ان کے علاوہ اور بھی چند مقامات پر خدا تعالیٰ نے اپنے دشمن کا ذکر فرمایا ہے جو خدا اور مسلمانوں کا مشترک دشمن ہے۔ خدا اور مسلمانوں کا مشترک دشمن کون ہو سکتا ہے، صرف وہ جو دینِ خداوندی کا دشمن ہو، وہ خدا اور مسلمانوں کا مشترک دشمن ہے کیونکہ مسلمانوں کی تو ہستی ہی دینِ خداوندی کے ساتھ منسلک ہے۔ اگر اس کے دین کو قوت اور استقامت ہے تو مسلمانوں کو بھی غلبہ حاصل ہے اگر اس کے دین کو غلبہ نہیں ہے، تو مسلمانوں کی بھی کوئی عزت و قدر نہیں ہے۔ یہ تھا وہ دین، جسے حضورؐ نے نہ صرف

دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ اسے متشکل کر کے بھی دکھا دیا۔ حضورؐ اس دین کو لوگوں کے سامنے پیش فرماتے تھے۔ اس کی غایت اور حکمت کو دلائل اور براہین سے سمجھاتے تھے۔ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے انہیں غور و فکر کی دعوت دیتے تھے۔ جو اس طرح پورے اطمینانِ قلب سے اُس کو قبول کرتا تھا، اسے اپنی جماعت میں شامل فرماتے تھے۔ یہ تھی جماعتِ مومنین جنھوں نے دین کا معاشرہ قائم کیا تھا۔

دین کا قیام اور اس کا تمکّن نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے وحی کے صحیح اتباع کا۔ حضورؐ نے خود وحی کا اتباع فرمایا۔ اور اپنے مومنین ساتھیوں سے بھی اس پر عمل کرایا۔ صحیح معنے میں خدا اور مسلمانوں کے دشمن وہ ہیں جو اس کی تعلیم یعنی وحی کو صحیح صورت میں سامنے نہ آنے دیں اور اسے ہر طرح سے لوگوں تک پہنچنے سے روکیں۔ حضورؐ کے عہدِ شریف میں بھی یہی حال تھا۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْہِ
(۴۱/۲۶)

اور کفار کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور جب پڑھیں، تو اس (کے بیچ) میں غُل مچایا کرو۔

لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (۴۱/۲۶)۔

تاکہ (اس ترغیب سے) تم غالب آجاؤ۔

حضورؐ کے دورِ ہمایوں کے بعد بھی یہی صورت رہی۔ کوشش یہی کی گئی کہ کسی طرح نہ تو اس کی صحیح تعلیم سامنے آئے اور نہ اس پر عمل درآمد کیا جا سکے۔ اس کے لئے مختلف نظریات قائم کئے گئے کہ

(۱) قرآن کے اصل معانی وہ نہیں، جو اس کے الفاظ سے لئے جاتے ہیں، بلکہ اصل معانی اس کے باطنی معانی ہوتے ہیں۔

(۲) قرآن کے الفاظ اوراد و وظائف کے لئے ہیں اور ان کے دُہرانے سے عجیب نتائج نکلتے ہیں۔

(۳) قرآن کی آیات ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہیں۔ بایں طور کہ یہ حتمی طور پر معلوم نہیں کہ کس آیت نے کس آیت کو منسوخ کیا ہے۔

(۴) آیاتِ قرآنی کی غیر قرآنی تفسیر پیش کی گئی اور اسے حضورؐ کی طرف منسوب کیا گیا۔

(۵) جو کچھ حضورؐ فرماتے تھے، وہ ان کی اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ یہ بھی خدا کی طرف سے وحی ہوتا تھا۔ یعنی وحی قرآن سے الگ ایک اور وحی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قسم کے عقائد وضع کرنے کے بعد ان (JUSTIFY) کرنے کا دروازہ کھل گیا اور متعین طور پر یہ بات طے ہی نہیں ہو سکتی کہ کون سا نظریہ وحی

سابق ہے اور کون سا نہیں، کیونکہ اگر وحی صرف قرآن میں ہی سمجھی جاتی، تو بآسانی ہر نظریہ کی صحت و سقم معلوم کی جا سکتی تھی لیکن قرآن کے علاوہ بھی وحی تسلیم کی جائے، تو کوئی صورت نظریات کی تردید یا تصویب کی باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے آج بیشتر نظریات کے متعلق حتمی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور اسی وجہ سے مسلمانوں میں متعدد فرقوں کا وجود قرار و استقلال پکڑ گیا۔

وحی کی لغوی تحقیق

عربی زبان میں لفظِ وحی متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ وحی کا لغت میں عام مفہوم یہ ہے کہ

اَلْوَحْیُ اَلْاِشَارَۃُ وَ الْکِنَایَۃُ وَ الرِّسَالَۃُ وَ الْکَلَامُ الْخَفِیُّ وَ کُلُّ مَا اَلْقَیْتَہٗ اِلٰی غَیْرِکَ۔

وحی کے معنے اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، چھپا کے بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو

چنانچہ عجاج نے وحی کو اشارہ کے معنی میں استعمال کیا۔

(۱) تَرَیٰ عَیْنُھَا عَیْنِیْ فَتَعْرِفُ وَحْیَھَا وَ تَعْرِفُ عَیْنِیْ مَا بِہِ الْوَحْیُ یَرْجِعُ

اس کی آنکھ دیکھ رہی تھی میری آنکھ کو اور سمجھ رہی تھی وہ میری آنکھ کے اشاروں کو

اور میری آنکھ بھی اس چیز کو سمجھ رہی تھی کہ جس کی طرف اشارات جا رہے ہیں۔

عجاج ہی وحی کو لکھنے کے معنے میں استعمال کرتا ہے۔

(۲) حَتّٰی تَحَاھُمْ جَدُّنَا وَ النَّاحِیْ لِقَدَرٍ کَانَ وَحَیٰ وَ الْوَاحِیْ

ہمارا دادا ان سے علیحدہ ہو گیا اور ہر علیحدہ ہونیوالا بھی یونہی تقدیر تھی اور لکھنے والے نے یونہی لکھا تھا

خط و کتابت، لبید کا شعر ہے جو چوتھے معلقہ میں ہے۔

(۳) فَمَدَافِعُ الرَّیَّانِ عُرِّیَ رَسْمُھَا خَلْقًا کَمَا ضَمِنَ الْوُحِیُّ سَلَامُھَا

بارشوں کے تھپیڑوں نے اس گھر کے نشانات کو مٹا دیا۔ جو پرانے تھے جیسا کہ خط و کتابت کے ضمن میں اس کا سلام ہو۔

حکم دینا۔

(۴) وَحیٰ لَھَا الْقَرَارَ فَاسْتَقَرَّتْ وَ شَدَّھَا بِالرَّاسِیَاتِ الثُّبَّتِ

اس (کشتی) کیلئے قرار کا حکم دیا اور وہ قرار پکڑ گئی اور اس کو باندھ دیا مضبوط رسّوں سے

چھپا کے بات کرنا۔

وَ قَالَ لَھَا وَ قَدْ اَوْحَیْتُ اِلَیْہِ اَلَا لِلّٰہِ اُمُّکِ مَا تَعِیْفُ

اس مرد نے اس عورت سے کہا اور اس عورت نے اس سے چھپا کر بات کی ۔ سُن اللہ کی قسم تیری ماں کو تندرستی نہیں ہوگی۔

قرآنِ کریم نے بھی وحی کو تیز اشارہ، حکم کرنا، قانونِ فطرت وغیرہ کے معانی میں استعمال کیا ہے۔ علمِ خداوندی جو انبیاءؑ کرامؑ کی وساطت سے انسانوں کو ملتا تھا۔ اس کو بھی قرآن نے اپنی اصطلاح میں وحی کہا ہے۔

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۷/۶۳)۔

میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ شریعت میں کلمۃ اللہ کو وحی کہا جاتا ہے۔ یہ وحی انبیاء کرامؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل کی معرفت ملتی تھی۔

نزل به الروح الامين على قلبك

اس کے خدا سے پانے میں نبی کے سوا کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہوتا تھا۔ یہ وحی انبیاء کرامؑ کے علاوہ کسی کو نہیں مل سکتی تھی۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی وحی سے گفتگو کی جائے گی۔ اس وحی کے حصول میں انبیاء کرامؑ کے اپنے کسی کسب و ہنر کو دخل نہیں ہوتا تھا، بلکہ نبی کو تو اس کا علم بھی نہیں ہوتا تھا کہ اسے وحی ملنے والی ہے۔

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (۲۸/۸۶)

تمہیں تو اس بات کی توقع بھی نہیں تھی کہ تمہاری طرف کتاب نازل کی جائے گی۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (۴۲/۵۲)۔

تم تو نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔

یہ ایک موہبتِ عظمیٰ تھی جس کے لئے خدا تعالیٰ اپنے کسی بھی برگزیدہ بندے کو منتخب کر لیتا تھا۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (۱۶/۲)

وہ ہی اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے، وحی دے کر فرشتوں کو بھیجتا ہے۔

اس میں نبی کے جذبات کو بالکل دخل نہیں ہوتا تھا۔ اس میں بالکل معروضیت (OBJECTIVITY) ہوتی تھی اور یہ خارج سے نبی کو ملتی تھی۔ یہ ہمیشہ الفاظ کی صورت میں ملتی تھی اور اس کے الفاظ منزل من اللہ ہوتے تھے جن کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا، اسی لئے وحی کو قرآن نے کلام اللہ بھی کہا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ۔

یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں۔

یہاں تک کہ نبی خود بھی اس کے الفاظ کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۱۰/۱۵)

مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنے جی سے بدل ڈالوں، میں تو بس اسی کا پابند ہوں، جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

وحی علم خداوندی کا واحد ذریعہ

خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی راہنمائی کے لئے حضرت نوحؑ سے لے کر حضورؐ تک جو علم ہمیں ملا، وہ وحی کے ذریعہ ہی وصول ہوا ہے۔ وحی کے علاوہ کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا اور نہ ہے جس کے ذریعے خدا تعالےٰ کی طرف سے علم حاصل کیا جا سکتا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۴۲/۵۱)۔

کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجدے۔ غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے، بے شک وہ عالی شان، حکمت والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں پورے عالمِ انسانیت کو علمِ خداوندی پہنچانے کے تین طریقوں کا ذکر ہے جو انبیاء کرامؑ اور غیر انبیاء دونوں کو محیط ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ کرنے کے بعد انبیاء کرام کو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ علم ملتا تھا اور عام انسانوں تک وہ علم خدا کی طرف سے انبیاء کی معرفت ہی پہنچایا جاتا تھا۔ وحی کے علاوہ کوئی صورت علمِ خداوندی حاصل ہونے کی نہ تھی اور نہ ہے۔ کشف والہام کے متعلق جو نظریات قائم کئے گئے، وہ بالکل بخطِ مستقیم قرآن کے خلاف ہیں، ان الفاظ کو قرآن میں ان معانی میں کسی جگہ استعمال نہیں کیا گیا۔ اَلْهَمَ (۹۱/۸) کا لفظ ایک جگہ قرآن میں آیا ہے جس کے معنے نگلنے کے ہیں۔ اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانی ذات میں فجور اور تقویٰ کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہوئی ہیں، نہ یہ کہ انسان کو کہیں سے الہام ہونے لگا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت عربی ادب میں یہ لفظ ان معانی میں استعمال ہوتا ہی نہیں تھا اور نہ ہی اس زمانہ میں عربوں کے ہاں الہام کا کوئی تصور تھا۔ ان الفاظ کے اصطلاحی معانی نزولِ قرآن کے بہت بعد پہنائے گئے ہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت اس لفظ کا مادہ لَهَمَ اس معنے میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا۔

محدّثیت کا عقیدہ

قرآنِ کریم کی اس آیت سے ظاہر ہے کہ انسانیت کو خدا کی طرف سے علم صرف وحی کے ذریعہ مل سکتا تھا اور وحی حضورؐ پر ختم کر دی گئی جس کا عملی مفہوم یہ تھا کہ اب حضورؐ کے بعد کوئی شخص خدا تعالےٰ سے براہِ راست علم حاصل نہیں کر سکے گا اور اگر کوئی شخص اس بات کا دعوےٰ کرے کہ اس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے، تو گویا اس نے ختمِ نبوت کی نفی کر دی۔ قرآنِ کریم کے محفوظ کر دینے کے معنے ہی یہ ہیں کہ اب اس کے بعد کوئی علم خدا کی طرف سے حاصل نہیں ہوگا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے مزید علم حاصل ہونا مقصود ہوتا، تو قرآن کو محفوظ کر دینا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری لینا بے معنی تھا، لیکن اس واضح مفہوم کے باوجود الہام، کشف اور محدّثیت (بدالِ مفتوح) کے نظریے قائم کئے گئے، جو تمام مسلمانوں میں درست تسلیم کئے جاتے ہیں۔ محدّثیت سے مفہوم یہ ہے کہ رسول اور نبی کے علاوہ محدّث ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا تھا، چنانچہ آیت کریمہ:

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ (۱۷/۳۱)

اور ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب کوئی خواہش کرے تو دخل دیتا ہے شیطان اس کی خواہش میں۔ پس مٹاتا ہے اللہ جو دخل دیتا ہے شیطان پھر مضبوط کرتا ہے اپنی آیات کو اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

کی تفسیر کے ذیل میں تحریر ہے کہ "تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ قرأتِ اہلِ بیت میں وَلَا نَبِیٍّ کے بعد وَلَا مُحَدَّثٍ کا لفظ بھی تھا۔ راوی نے جب الگ معانی دریافت کئے، تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر آئے اور بات کرے اور نبی وہ ہے جس پر وحی خواب میں ہو۔ چنانچہ نبوت اور رسالت ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں اور محدّث وہ ہے جو فرشتے کو نہ دیکھے لیکن اس کی آواز سُنے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس طرح پہچانے گا کہ یہ فرشتہ کی آواز ہے، تو آپ نے فرمایا، اس کے پاس خداداد قوت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان سکتا ہے اور آلِ محمد سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام محدّث تھے اور تفسیر برہان میں ہے کہ عورتوں میں سے چار عورتیں محدّثہ تھیں۔ (۱) ساریہ (۲) مادرِ موسےٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، یعنی ان کے ساتھ فرشتے کلام کرتے تھے"۔

(تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، جلد ۱، صـ۴۱)

زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے آیہ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ فرمایا، نبی وہ ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس کی آواز

سنتا ہے اور خواب میں بھی دیکھتا ہے اور ظاہر میں بھی۔ میں نے پوچھا کہ امام کی منزلت کیا ہے۔ فرمایا، فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ "اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے نہ رسول نہ نبی اور نہ محدّث الخ۔

احول سے مروی ہے۔ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے رسول و نبی و محدّث کا فرق پوچھا۔ فرمایا رسول وہ ہے جس کے پاس جبرئیل آتے ہیں، ظاہر و بظاہر وہ ان کو دیکھتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ یہ ہے رسول اور وہ ہے نبی جو خواب دیکھتا ہے۔ ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا یا جیسے رسول اللہ نے قبل وحی اسبابِ نبوت کو خواب میں دیکھا، پھر ان کے پاس خدا کی طرف سے فرشتے رسالت لے کر آئے اور جب محمد مصطفیٰؐ پر رسالت و نبوت جمع ہوئیں، تو جبرئیل نے ان کے پاس آکر ظاہر بظاہر کلام کیا اور بعض انبیاء ایسے ہیں کہ جب نبوت ان کو ملی، تو انھوں نے خواب میں دیکھا اور روح فرشتہ ان کے پاس آیا اور ان سے کلام کیا اور حدیث بیان کی، لیکن انھوں نے حالتِ بیداری میں اس کو نہ دیکھا اور محدّث وہ ہے جو ملائکہ سے ہمکلام ہوتا ہے، ان کا کلام سنتا ہے، لیکن نہیں دیکھتا نہیں اور نہ خواب میں نظر آتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے وَمَا اَرْسَلْنَا الخ کی تلاوت کر کے پوچھا، کیا یہ ہماری قرأت نہیں۔ پس کیا فرق ہے رسول و نبی و محدّث میں۔ فرمایا رسول وہ ہے جس کے پاس ظاہر بظاہر فرشتہ آتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور نبی وہ ہے کہ خواب میں دیکھتا ہے اور بسا اوقات نبوت اور رسالت شخصِ واحد میں۔ جمع ہوتی ہیں اور محدّث وہ ہے کہ آواز سنتا ہے اور صورت نہیں دیکھتا۔ میں نے کہا، اللہ آپ کی حفاظت کرے، وہ کیسے جانتا ہے کہ خواب میں جو دیکھا، وہ حق ہے اور یہ فرشتہ کہہ رہا ہے۔ فرمایا بتوفیقِ الٰہی وہ جان لیتا ہے۔ تمہاری کتاب پر خدا کی کتابیں ختم ہوگئیں اور تمہارے نبی پر انبیاء ختم ہوگئے۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی، جلد اوّل، کتاب الحجہ صـ۲۰۳ ـ ۲۰۴) تیسرا باب نبی رسول اور محدّث کا فرق)

قرآنِ کریم کی تفسیر اور تین احادیثِ مبارکہ آپ نے ملاحظہ فرمائیں جن میں محدّث کو (DEFINE) کیا گیا ہے اور آیت کو محدّث کے لفظ کے ساتھ پڑھا گیا ہے بلکہ کافی سے روایت کی گئی ہے کہ قرأتِ اہلِ بیت میں ولا نبی کے بعد ولا محدّث کا لفظ بھی تھا لیکن تعجب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے موجودہ نسخہ جات جو ہمارے درمیان متداول ہیں، ان میں یہ لفظ موجود ہی نہیں ہے۔ فلہٰذا اس تفسیر اور احادیث پر تبصرہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تاہم یہ بات البتہ واضح ہے کہ جس طرح الہام و کشف کا عقیدہ قرآنِ کریم کے مطابق نہیں ہے، اسی طرح محدّثیت کا عقیدہ بھی وحی خارج از قرآن پر قائم ہے۔

رسول و نبی کا فرق غیر قرآنی ہے

جہاں تک رسول اور نبی میں فرق کرنے کا تعلق ہے، قرآنِ کریم کی رُو سے یہ درست نہیں ہے۔ رسول اور نبی ایک ہی فرد

ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ اسے خدا کی طرف سے نبوت عطا ہوتی ہے وہ نبی ہے اور اس جہت سے کہ وہ اس پیغام کو انسانیت کی طرف پہنچاتا ہے وہ رسول ہے۔ ایک ہی شخص کے یہ دو منصب ہیں۔ وحی کو خدا کی کتاب اور کلام اللہ بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے جو شخص بھی صاحبِ وحی یا صاحبِ کتاب ہوگا، وہ نبی بھی کہلائے گا اور رسول بھی۔ وہ خدا سے کتاب پانے کی وجہ سے نبی ہے اور اس کتاب کی تعلیم کو انسانیت تک پہنچانے کی وجہ سے رسول ہے۔ لہٰذا، قرآنِ کریم کے نزدیک نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی تائید میں متعلقہ آیات ذہن میں رکھیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (۲/۲۱۳)

سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے، پھر خدا نے خوشخبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ برحق کتاب بھی نازل کی۔

اس سے ظاہر ہے کہ سب نبیوں کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں اور کوئی نبی ایسا نہ تھا جو صاحبِ کتاب نہ ہو۔ یہاں 'الکتاب' اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ (۵۷/۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان سب کے ساتھ کتابیں نازل کیں

یعنی کوئی رسول ایسا نہ تھا جو صاحبِ کتاب نہ ہو۔

انبیاء اور رسل کوئی الگ الگ نہیں تھے بلکہ ایک ہی ہوتے تھے، اسی لئے قرآن میں ایک ہی فرد کو کہیں نبی کہا ہے اور کہیں رسول، حضورؐ کے متعلق ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ (۴۸/۲۹)۔

پھر آپؐ کے ہی متعلق فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۸/۶۴)

اور کہیں رسول اور نبی دونوں ہی الفاظ حضورؐ کے لئے مستعمل ہوئے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ (۷/۸۸)۔

سورۃ النساء میں پہلے فرمایا۔

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔

اے رسول! ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی، جس طرح نوح اور نوح کے بعد دیگر

انبیاء کو کی۔

یہاں حضرت نوحؑ اور ان کے بعد آنے والوں کو انبیاء کہا ہے، اس کے بعد ان کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰق، یعقوبؑ، عیسٰےؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور اس کے بعد کہا۔

رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (۴/۶۵)۔

یعنی پہلے انہیں انبیاء کہا اور پھر انہیں ہی رسول کہا۔ انہیں کے متعلق دوسری جگہ کہا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ (۶/۹۰)

انہیں خدا نے کتاب، حکومت اور نبوت دی۔

اس سے ظاہر ہے کہ جسے نبوت ملتی تھی، اسے کتاب بھی ملتی تھی اور جو رسول ہوتا تھا، وہ نبی بھی ہوتا تھا۔

قرآنِ کریم کی رُو سے اجزائے ایمان پانچ ہیں۔ اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور یومِ آخرت۔ ان اجزاء کے متعلق ایک مقام پر فرمایا۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ (۲/۷۷)

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ۔

یعنی ان کو ایک جگہ انبیاء کہا اور دوسری جگہ رسل۔ ان آیاتِ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو فرق رسول اور نبی میں بیان کیا جاتا ہے، وہ قرآنِ کریم کے مطابق نہیں ہے، بلکہ یہ فرق بھی وحی خارج از قرآن پر قائم ہے۔

وحی صرف انبیاء کو ملتی تھی

قرآنِ کریم نے انسانوں کو دو گروہوں میں منقسم کیا ہے، ایک گروہِ انبیاء اور دوسرے غیر انبیاء، عام لوگوں کا گروہ۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (۷/۶)

پھر ہم ضرور ان لوگوں سے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے، سوال کریں گے اور خود پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔

نیز ارشاد ہوا۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (۲۸/۶۵)۔

اور (وہ دن یاد کرو) جس دن خدا لوگوں کو پکار کر پوچھے گا کہ تم لوگوں نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔

حکمتِ خداوندی کے مطابق علم صرف انبیائے کرام کو ملا اور انہیں اس بات پر مامور کیا گیا کہ جو علم بھی انہیں باری تعالیٰ کی طرف سے ملے، وہ اسے عالمِ انسانیت تک پہنچا دیں۔ چنانچہ حکم ہوا کہ

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔

جو کچھ بھی تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا، وہ لوگوں تک پہنچا۔

وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (۸۱/۲۴)۔

اور وہ وحی کو پہنچانے میں بخیل نہیں۔ اگر مشرکین کا یہی مطالبہ تھا کہ

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ (۲/۱۸)

جو لوگ نہیں جانتے انہوں نے یہی کہا کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا۔

لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی صورت اختیار کی گئی کہ انبیاء کرام کو وحی دے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اس کی اشاعت عام کریں۔ سورۂ شوریٰ کی آیت کریمہ جو پہلے تحریر کی گئی ہے، وہ اس مفہوم کے لئے حجتِ قاطعہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ وحی صرف انبیاء کو ملتی تھی (سورۂ شوریٰ کی اس آیت کریمہ کا مفصل مفہوم، پمفلٹ بنام "وحی کی خصوصیات" میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وحی صرف انبیاء کو ملتی تھی، یہاں اس کا اعادہ بے سود ہے)۔

وحی کے سلسلہ میں چند اشکالات

البتہ چند مقامات اس نظریہ کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں جس سے خیال کیا جاتا ہے کہ وحی غیر انبیاء کو بھی ملتی تھی اور اس بارے میں اُمِّ موسےٰ، حوارین حضرت عیسےٰؑ، نحل کی طرف وحی کرنے کو خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن قرآنِ کریم کی مجموعی طور پر یہی تعلیم ہے کہ وحی صرف انبیاء کرام کو ملتی تھی اور یہی ان کے شرف و مجد اور فضل و تفوق کا باعث بنتی تھی۔ حوارینِ حضرت عیسےٰ اور اُمِّ موسےٰ کی طرف وحی کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں واسطہ خود حضرت عیسےٰ اور اُمِّ موسےٰ کے ہم عصر نبی ہیں، یہ وحی ان کی طرف ان کی معرفت ہوئی۔ چنانچہ حوارینِ حضرت عیسیٰ کی وحی کے متعلق امام راغب نے مفردات میں تحریر کیا ہے۔

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ۔

اور جب میں نے حواریوں کو حکم بھیجا۔

میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرف وحی بھیجنے سے حضرت عیسےٰ کی وساطت سے ان کو حکم دینا مراد ہے اور یہ آیت

وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ۔

اور ان کو نیک کام کرنے کا حکم بھیجا۔

میں بھی لوگوں کی طرف وحی کرنے سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انھیں ان باتوں کا حکم دینا مراد ہے (مفردات القرآن امام راغب صفحہ ۱۰۹۹)۔ مومنین کو بھی جو احکامات قرآن کریم میں دیے گئے ہیں ان میں حضورؐ کو واسطہ قرار دیا گیا ہے مثلاً جس جگہ حکم ہوا:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔

تو اس میں مومنین اور خدا تعالےٰ کے درمیان حضورؐ واسطہ ہیں۔ اسی طرح حوارین حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ خود واسطہ تھے کہ ان کے واسطہ سے خدا تعالیٰ نے حوارینِ حضرت عیسیٰؑ کو حکم کیا تھا، اسی طرح مادرِ موسیٰؑ کو بھی اس دور کے نبی کی معرفت یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ انھیں دودھ پلائیں۔ البتہ جہاں تک شہد کی مکھی کا تعلق ہے یہ وحیٔ تسخیر کہلاتی ہے، اس کے لئے بھی امام راغب نے تحریر کیا ہے کہ کبھی وحیٔ تسخیری ہوتی ہے یعنی کسی چیز کو اس کے کام پر مامور کرنا۔ مضمون کے بالکل ابتدا میں وحی کے مختلف معانی کے سلسلہ میں عرض کیا گیا تھا کہ قرآنِ کریم نے وحی کو قانونِ فطرت کے معنے میں بھی استعمال کیا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں وحیٔ نبوت مراد ہو ہی نہیں سکتی جس کے بارے میں اس مضمون میں گفتگو کی جا رہی ہے۔ اس سارے مضمون میں موضوع وحیٔ نبوت ہے جس کی تشریح ابتدا مضمون میں کی جا چکی ہے۔

چونکہ نبوت حضورؐ پر ختم کر دی گئی، اس لئے وحی کا سلسلہ بھی بند کر دیا گیا، حضورؐ پر آخری وحی کی گئی جو انسانیت کے لئے تا قیامت کافی ہے اور انسانیت کا آخری سہارا ہے۔ عقلِ انسانی کتنے ہی جتن کر دیکھے جب تک وہ وحیٔ الٰہی کے نور سے مستنیر نہیں ہوتی، انسانی مسائل کا حل کسی طرح پیش نہیں کر سکتی۔ وحیٔ الٰہی اور عقلِ انسانی کی نسبت آفتاب اور آنکھ کی مانند ہے۔ جس طرح آنکھ کو آفتاب کی روشنی سے مفر نہیں، اسی طرح عقلِ انسانی وحی کے بغیر ناقص ہے، وحی عقلِ انسانی میں توسیع کرتی ہے، اس کو حدود نا آشنا بنا دیتی ہے۔ حضورؐ کو جو وحی عنایت فرمائی گئی، وہ قرآنِ کریم میں محفوظ کر دی گئی۔ اب وحی کا کوئی لفظ قرآن کے باہر نہیں اور جو فضائل و محامد وحی کے ہیں ان سب کا اطلاق صرف قرآنِ کریم پر ہوتا ہے۔ اب علوم حاصل کرنے کے صرف دو ہی ذرائع ہیں، عقلِ انسانی اور قرآنِ کریم۔

وحی صرف قرآنِ کریم میں ہونے کے دلائل

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:۔

الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ

لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۷/۳-۱)۔

یہ کتاب تم پر اس غرض سے نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے ڈراؤ اور ایمان والوں کے لئے نصیحت کا باعث ہو، پس تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی پیدا نہ ہو (لوگو) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، تم لوگ تو بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

یہاں پہلی دو آیات میں بیان فرمایا کہ کتاب نازل کی گئی۔ متصلہ آیت ۳ میں تاکید فرمائی کہ جو کچھ بھی نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو۔ دونوں آیات پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ کتاب اور مَا اُنْزِلَ ایک ہی چیز ہے کیونکہ دونوں کے لئے انزل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مَا اُنْزِلَ کتاب کے بدل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

حصر نزول

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ (۱۳/۱۹)

تو کیا وہ جو جانتا ہے جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔

اس آیت میں اَنَّمَا کلمہ حصر ہے جس سے بالتحقیق ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضورؐ کی طرف حق یعنی قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور چیز نازل نہیں کی گئی اور فقط قرآن ہی نازل کیا گیا ہے۔ ایسے کلمہ حصر کے ہوتے ہوئے قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب کو وحی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں مَا تعمیم کا ہے اور مراد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ صرف حق یعنی قرآن ہے اور حق یعنی قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز نازل نہیں کی گئی۔

دلیل سوئم

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ (۵/۴۸)۔

اور ہم نے تم پر حق کتاب نازل فرمائی کہ جو کتاب (اس کے پہلے سے) اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان (بھی) ہے، تو جو کچھ تم پر خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق تم بھی حکم دو اور جو حق بات خدا کی طرف سے ہے اس سے

کترا کے ان لوگوں کے خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرو۔

اسی آیتِ حمیدہ میں الکتاب اور مَا انزل ایک ہی چیز کے لئے استعمال کئے گئے ہیں جو کہ قرآنِ کریم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مَا انزل صرف کتاب ہے اور اس کے علاوہ کوئی چیز مَا اُنزل میں شریک نہیں ہے۔

دلیلِ چہارم

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ (۴۳/۴۳)

تو تمہارے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اسے مضبوط پکڑے رہو، اس میں شک ہی نہیں کہ تم سیدھی راہ پر ہو اور یہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب ہی تم لوگوں سے باز پُرس کی جائے گی۔

اس آیت میں اوحی الیک کی وضاحت خود ہی فرما دی کہ اوحی الیک کا مطلب ذکر ہے اور ذکر کی توضیح سورۂ انبیاء میں فرما دی کہ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ، اور یہ (قرآن) ذکر ہے، برکت والا ہے، ہم نے اس کو اتارا ہے۔ دونوں آیات سے ظاہر ہے کہ اوحی الیک، ذکر یعنی قرآن ہے۔

کتاب اور مَا اُنزِلَ ایک چیز ہے

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

اور یہ کتاب ہے، اتارا ہے ہم نے اس کو برکت والی، پس پیروی کرو اس کی اور پرہیزگاری کرو تاکہ رحم کئے جاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ

پیروی کرو اس چیز کی کہ اتاری گئی ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار سے اور مت پیروی کرو اس کے سوا دوستوں کی۔

پہلی آیت میں کتاب کے اتباع کا حکم ہے اور دوسری آیت میں مَا اُنزل کے اتباع کا۔ صرف الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ رکھا گیا ہے جس سے ثابت ہے کہ ما انزل صرف کتاب ہے۔

وحی کی امتیازی خصوصیات

قرآنِ کریم نے وحی کی چند ایسی امتیازی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وحی کون سا کلام ہے اور غیر وحی کونسا۔

وحی کی واضح اور مابہ الامتیاز پہچان یہ ہے کہ وحی صرف متلو ہے، وحی غیر متلو ہو ہی نہیں سکتی۔ عام نظریہ کے مطابق وحی کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں، ایک وحیٔ متلو اور دوسری وحیٔ غیر متلو۔ اس عقیدہ کے مطابق وحیٔ متلو قرآنِ کریم ہے کیونکہ اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وحیٔ غیر متلو روایات ہیں کیونکہ ان کی تلاوت نہیں کی جاتی، لیکن (آپ متعجب ہوں گے کہ) قرآنِ کریم نے وحی کو صرف متلو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری عزّ اسمہٗ ہے۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ۔

اے رسول! اسی طرح ہم نے تم کو اس اُمّت میں بھیجا جس سے پہلے اور بہت سی اُمّتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم ان کے سامنے اس کی تلاوت کرو، جو ہم نے وحی کیا۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ مطلق مَا یوحی متلو ہے جس کی تلاوت حضورؐ امّت کے سامنے فرمایا کرتے تھے اور جو ساری قرآنِ کریم کی دفتین میں محفوظ ہے۔ اس آیت کے پیشِ نظر غیر متلو وحی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وحی کی دوسری پہچان یہ ہے کہ

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (۴۱/۴۲)۔

باطل اس میں نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے کیونکہ وہ بے حد حکمتوں والے اور بے حد تعریف کئے گئے کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب عزیز کا چودہ سو سالہ مشاہدہ ہے کہ اس میں آج تک باطل کا گزر نہیں ہو سکا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اگر روایات بھی منزل من اللہ ہوتیں، تو ان میں بھی باطل کا گزر نہ ہوتا۔ چونکہ ان میں لاکھوں غلط روایات داخل ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ کتبِ روایات ما انزل اللہ ہرگز نہیں ہیں، ما انزل اللہ صرف قرآنِ کریم ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ روایات کے متعلق تو عقیدہ یہ ہے کہ وحی منزل من اللہ ہیں، لیکن ان روایات ہی پر مشتمل کسی کتاب کے متعلق کہا جائے کہ وہ کتاب منزل من اللہ ہے، تو اس کو کوئی منزل من اللہ تسلیم نہیں کرے گا، جس کے مندرجات (CONTENTS) وحی ہوں، تو اس کو بھی منزل

من اللہ سمجھنا چاہیئے۔

قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں تین نمایاں فرق ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

۱۔ قرآنِ کریم پر ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے، اس کی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے، لیکن اس کے برخلاف حدیث شریف پر کوئی مسلمان ایمان نہیں رکھتا۔

۲۔ قرآنِ کریم نازل ہوا اور امت اسی پر ایمان لائی اور تواتر کے ساتھ نسلاً بعد نسلاً ایمان لاتی چلی جاتی ہے اس لئے قرآن ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے، اس کے لئے روایت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

۳۔ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے اور اس کے ایک ایک کلمہ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن احادیث راویوں کے تصرف میں ہیں۔

قرآنِ کریم دین ہے اور دینی تاریخ حدیثیں ہیں۔ آپ از اوّل تا آخر پورا قرآن کریم پڑھ جائیں۔ قرآن سے ایک آیت بھی حدیث کے وحی ہونے کے ثبوت میں نہیں ملے گی۔ حدیث کی اپنی حیثیت ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم سے استفادہ کرنے کے بجائے اخبار اور آثارِ بزرگان پر زور دیا جاتا ہے، ان کا خیال ہے کہ حدیث کے حالات سے لوگ واقف ہوں گے، تو ان کی عقیدت حدیث سے بڑھے گی۔ بعض حضرات اس ضمن میں عربوں کے حافظے کے قصے بیان کرتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ حدیث نے جو صعوبات و مشکلات احادیث کے جمع کرنے میں برداشت کیں، انھیں بیان کرتے ہیں مگر ان سب کے باوجود بات بنتی نظر نہیں آتی۔ قرآنِ کریم سے حدیثِ وحی ثابت نہیں ہوتی۔

حکمت کا صحیح مفہوم قرآنِ کریم نے حکمت کو بھی منزل من اللہ قرار دیا ہے۔ بعض حضرات اس سے حدیث شریف مراد لیتے ہیں اور بعض حضرات سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کریمات سے حدیث کو وحی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان عناوین کے صحیح مفہوم کے لئے رسالہ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل من اللہ صرف قرآن ہے اور واجب الاتباع بھی صرف قرآن ہے

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۷/۳)

جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے مددگاروں کے سوائے کسی کی پیروی نہ کرو، جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو، تھوڑی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اِتَّبِعُوْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ معطوف، معطوف علیہ ہے نیز پہلے امریہ جملے میں صرف ما انزل کی اتباع کا حکم ہے اور دوسرے نا ہیہ جملے

جملے میں اس کے سوا کی اتباع سے منع کیا گیا ہے، لیکن دونوں جملوں پر غور کرنے سے خیال آتا ہے کہ حکم تو دیا گیا ہے ما انزل اللہ کے اتباع کا اور منع کیا گیا ہے اللہ کے سوا جھوٹے کارسازوں کے اتباع سے، حالانکہ مَا انزل اللہ کی ضد چونکہ غیر مَا انزل اللہ ہے اس لئے ما انزل اللہ کے اتباع کی تغلیظ و توثیق کے لئے جو نہی لائی گئی ہے اس میں غیر مَا انزل اللہ کے اتباع سے منع کیا جاتا لیکن یہ جو تائیدی نہی کا خاص انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے مقصود اس بات کی وضاحت اور اس بات پر (EMPHASIS) دینا ہے کہ اطاعت و اتباع کا مستحق صرف خدا تعالیٰ خلاقِ حقیقی اور مطاعِ تحقیقی ہے، اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا استحقاق نہیں، ان الحکم الا اللہ اور اس کی اطاعت کا واحد ذریعہ صرف مَا اَنزل اللہ ہے، اس امر کا فیصلہ کہ ما انزل اللہ کیا ہے، اس سے متصلہ ماقبل آیت مجیدہ میں کتبٌ انزل الیک (۷/۲) کے الفاظ میں موجود ہے کہ وہ صرف اور صرف ایک کتاب ہے، اس کے لئے روایات کی بے شمار کتب میں سے کوئی کتاب بھی نہ منزل من اللہ ہے اور نہ واجب الاتباع، یعنی کتاب خداوندی قرآنِ کریم کے سوا کوئی اور کتاب ہرگز اتباع خداوندی کا ذریعہ نہیں اور اللہ کے رسول ضابطۂ خداوندی کے لانے والے خود بھی ضابطۂ الٰہی کے تابع تھے، متبوع نہیں تھے۔

مَا انزل اللہ میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب شامل نہیں

لیکن آیت کریمہ کے اس حکم کے باوجود ما انزل الیکم کے ماموصولہ کو عموم پر محمول کرکے، روایات کو ما انزل میں شامل کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۲/۲۳)

اور اگر تم اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے شک میں ہو، تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔

اسی ماموصولہ کے ساتھ معارضہ کیا گیا ہے کہ نوعِ انسانی قیامت تک مانزلنا کی مثل نہیں لا سکے گی اور اس تحدّی اور اعلانِ خداوندی کی صداقت پر چودہ سو سالہ تجربہ گواہ ہے کہ قرآن کی مثل آج تک ایک آیت بھی نہیں بنائی جا سکی، لیکن کتبِ روایات کے متعلق، خود علماء روایات کا عقیدہ ہے کہ وضاعین نے جھوٹی روایات کثرت سے بنا کر شاملِ کتب کر دیں۔ پس آیتِ بالا کی رُو سے واضح ہے کہ اگر ذخیرۂ روایات منزل من اللہ ہوتا، تو ان جیسی ایک حدیث بھی نہیں بنائی جا سکتی تھی اس لئے کتبِ روایات کا کوئی ذخیرہ منزل من اللہ نہیں، بلکہ منزل

من اللہ صرف قرآن ہے جس کی مثل ونظیر آج تک نہیں بنائی جاسکی، بلکہ قیامت تک نہیں بنائی جاسکیگی۔

اطاعتِ رسول اس سلسلہ میں اطاعتِ رسول کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے مناسب خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی وضاحت کردی جائے۔ وہو ہذا۔ حضور نبی اکرمؐ نے سب سے پہلے اسلامی مملکت قائم فرمائی جس کی سنٹرل اتھارٹی حضورؐ خود تھے، اس مملکت میں احکام خداوندی کی اطاعت سے مقصود ان قوانین کی اطاعت تھی جسے یہ سنٹرل اتھارٹی نافذ کرتی تھی، یعنی یہ صورت نہیں کہ قرآنی احکام پر جس کا جس طرح دل چاہے، عمل کرے، بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری تھا کہ وہ حضور کی طرف سے جاری کردہ قوانین و احکامات کی اطاعت کرے، اسی کا نام اللہ اور رسول کی اطاعت تھا چونکہ اسلام حضورؐ کے دور تک محدود نہیں تھا اور یہ نظامِ زندگی بھی صرف اسی دور تک منقرض ہونا نہیں تھا۔ اس لئے حضورؐ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہا اور اب حضورؐ کے بعد سنٹرل اتھارٹی حضورؐ کے جانشین کی ہوئی۔ اب یہی سنٹرل اتھارٹی تھی اور اس کے فیصلے ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان کی اطاعت ہی خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں عراق کی مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے مسئلہ پر اکثر صحابہ کبار کو خلافتِ وقت سے اختلاف تھا، لیکن اس کے وجود عمل سنٹرل اتھارٹی کے فیصلے کے مطابق ہوا۔ جن صحابہ نے اپنی رائے کے خلاف مرکز کے فیصلہ کی اطاعت کی، وہ کوئی مجبوری سے نہیں کی، بلکہ اس کو خدا اور رسول کی اطاعت کے مترادف سمجھ کے اس کی اطاعت کی۔ یہ نظام زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا اور مختلف وجوہ کی بناء پر دین کے نظام کا نقشہ باقی نہ رہ سکا۔ اب بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآنِ کریم کے احکام کے مطابق حکومت قائم کریں، اسی نظام کو اسلامی حکومت، اسلامی نظام اور حکومتِ خداوندی کہا جائے گا۔ اس کی سنٹرل اتھارٹی مرکزِ ملت کے فیصلوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت متصور ہوگی جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت تھی، اسی طرح آج کے قائم کردہ مرکزِ ملت کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہوگی۔ اس مضمون کی تائید کے لئے اور اس کے استشہاد کے طور پر متقدین ائمہ کی چند آراء نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (۸/۱) کے ذیل میں امام طبری نے اللہ اور رسول سے امامِ وقت مراد لیا ہے، اللہ اور رسول کی تفسیر امامِ وقت سے کی ہے۔

۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ کے تحت امام ابوحنیفہ کا قول درج کیا ہے جس سے انہوں نے اللہ اور رسول سے مراد امامِ وقت لیا ہے۔

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اسی آیت کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ قرآن نے یہ یہ حکم دے کر کہ مالِ غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے، حکومت کا ہے نہ کہ لوٹنے والوں کا، سپاہیوں کی ذاتی حرص و طمع کے ابھرنے کی راہ روک

دی۔ یہاں انہوں نے اللہ اور رسول کے معنے حکومت لئے ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک حکومت اسلامی یا اسلامی نظام کے قیام کی ذمہ داری عامۃ المسلمین پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کا کہنا ہے کہ قرآنِ مجید کے عمومی فرامین جن پر عمل کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے۔ وہاں خطاب عامۃ المسلمین کو ہے لیکن جن امور کا تعلق نظامِ حکومت اور تدبیرِ مملکت سے ہے، وہاں خطاب کو عامۃ الناس کے لئے قرار دینا کج بحثی بلکہ کور باطنی کے سوا کچھ نہیں۔ قرآنِ مجید قیامت تک کے لئے تکمیلِ انسانیت کا مکمل کورس اور نظامِ مملکت کا کامل دستور ہے، پس جہاں عوام کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں حدودِ شرعیہ کی محافظت کے لئے قرآن کے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا کی جانب سے نامزد نمائندوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک خدا کی جانب سے یکے بعد دیگرے متعین ہیں اور نظامِ شرعی کو برقرار رکھنے اور حدودِ قرآنیہ کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر خطابات وارد ہیں، ان کا تعلق انہی سے ہے۔

نیز فرمایا، چونکہ حدود کا قیام واجب ہے، جو امام کے بغیر نہیں ہو سکتا، لہٰذا، عوام پر واجب ہے کہ خدا کی جانب سے نصب کردہ امام کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور اس سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کا اقتدار قائم ہو۔ مزید وضاحت کے لئے تحریر فرمایا، "نیز دنیاوی حکومتیں جب ملک کی تدبیر و تنظیم کے قوانین نافذ کرتی ہیں، تو جن امور کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، وہاں خطاب بھی عوام کو کیا جاتا ہے لیکن جن امور کا تعلق نظامِ مملکت سے ہوتا ہے اور تعزیرات کا بیان ہوتا ہے وہاں خطاب عوام سے نہیں ہوتا کہ تم پر نظامِ مملکت کی بحالی واجب ہے لہٰذا، اپنے علاقہ میں ایک ناظم چن لو تاکہ وہ نظام کو قائم کرے، بلکہ ایسے خطابات کا تعلق متعلقہ افسروں اور عہدیداروں سے ہوتا تھا جو حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور نظامِ مملکت کی تدبیر کا اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں عوام سے حکومت کا یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ آئینِ حکومت کے نفاذ کے لئے حکام طبقہ کے ساتھ پورا تعاون کریں تاکہ ملکی آئین کامیابی سے نفوذ پذیر ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ پس قانونِ الٰہی یعنی اسلامی ضابطۂ حیات بھی اسی لہجہ سے خطاب فرما رہا ہے اور ائمہ کو حکم ہے کہ حدودِ شرعیہ کو جاری رکھیں اور اللہ کے دین میں نرمی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور پبلک کو ضمنی طور پر دستِ تعاون بڑھانے کا حکم ہے اور حدودِ شرعیہ کے اجرار کے وقت ایک طائفہ کی شمولیت جہاں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو سکتی ہے وہاں دستِ تعاون بڑھاتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کا راز بھی اس میں پنہاں ہے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۱۰، ص ۱۱۵، تفسیر سورۂ نور)

ان مندرجہ اقتباسات کی رُو سے حکومتِ اسلام کے قیام کی ذمہ داری عامۃ المسلمین پر نہیں ہے، بلکہ اگر امامِ وقت کو اقتدار حاصل ہو، تو وہ حدودِ اسلامی جاری فرمائیں گے اور ان ہی کے ذمہ اسلامی حکومت کا قیام ہے جہاں تک عوام کا تعلق ہے، ان پر فرض ہے کہ وہ امامِ وقت کے ساتھ پورا تعاون کریں اور ان کی اطاعت کریں، نیز

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ امام کی اطاعت ہی خدا اور رسول کی اطاعت ہوگی۔

مضمون کے آخر میں تجدید یادداشت کے طور پر ملخصاً تحریر ہے کہ

۱۔ انسان کی راہنمائی کے لئے خدا تعالیٰ نے مسلسل انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور انھیں براہِ راست (بذریعہ ملائکہ) اپنی طرف سے علم عنایت فرمایا جو وحی کہلائی جاتی ہے۔

۲۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم بھی پوری انسانیت کو حاصل ہوا، وہ صرف وحی کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ وحی حصولِ علمِ خداوندی کا واحد ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ علمِ خداوندی حاصل کرنے کا نہ تھا اور نہ ہے حضرت نوحؑ سے لے کر حضورؐ تک تمام انبیاء کرام کو علمِ خداوندی وحی کے ذریعے ہی ملا۔

۳۔ وحی صرف انبیاء کرام کو ملتی تھی، انبیاء کرام کے علاوہ کسی کو بھی یہ علم براہ راست خدا کی طرف سے نہیں ملا۔

۴۔ نبوت حضورؐ پر چونکہ ختم ہوگئی، اس لئے خدا تعالیٰ سے براہِ راست (بذریعہ ملائکہ) علم حاصل ہونا، خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا، اس کی طرف سے وحی حاصل ہونا، بالکل بند ہوگیا ہے۔ حضورؐ کے بعد علمِ الٰہی حاصل ہونے کا عقیدہ ختمِ نبوت کی نقیض ہے۔

۵۔ حضورؐ کو جو وحی خدا کی طرف سے ملی، وہ قرآنِ کریم میں بہ تمام وکمال محفوظ ہے، وحی کا ایک لفظ بھی قرآن سے باہر نہیں ہے۔ وحی صرف قرآن میں ہے، خارج از قرآن وحی کا تصور باطل ہے۔

پاکستان کے مسلمانو!

تم نے ابھی تک کشمیر کی اہمیت کا غالباً صحیح صحیح اندازہ نہیں کیا۔ تم نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ یہ لڑائی بھارتی فوج اور مجاہدین کشمیر کی ہے۔ حالانکہ یہ جنگ براہِ راست تمہارے خلاف ہے۔ کشمیر کی حفاظت تمہاری اپنی حفاظت ہے، تمہارے بال بچوں کی حفاظت ہے، تمہاری عزت و ناموس کی حفاظت ہے، تمہارے جان و اموال کی حفاظت ہے، تمہاری تہذیب و معاشرت کی حفاظت ہے، ہر اس شے کی حفاظت ہے، جو تمہیں عزیز ہے۔ پھر حیرت ہے، کہ اس کے باوجود تم نے اُسے اوروں کی جنگ سمجھ رکھا ہے۔ ہندو کے عزائم بڑے مشئوم اور اس کی تدابیر بڑی دور رس ہیں۔ تمہارے کشمیری بھائیوں نے اس وقت تک اپنے خون کی قیمت سے ان کے ارادوں کو مٹی میں ملائے رکھا ہے لیکن وہ تنہا اس سیلاب کا مقابلہ کب تک کر سکیں گے؟ ہو سکتا ہے کہ حکومتِ پاکستان اس باب میں بین الاقوامی قوانین و مصالح سے مجبور ہو لیکن تمہیں تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تمہارے بھائیوں کو تمہاری ہر قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔ اب تم انگریز کے غلام نہیں ہو کہ تمہاری تگ و تاز فقط جلوس اور ہڑتال تک محدود ہے۔

اب تم آزاد مسلمان ہو۔ اٹھو! اور باہم مل کر ایسی متحدہ آواز بلند کرو کہ دنیا کی قومیں عدل و انصاف پر مجبور ہو جائیں۔ اگر وہاں استصواب کی صورت پیش آئے تو وہاں کے مسلمانوں کو ایسی سہولتیں بہم پہنچاؤ کہ ہر شخص اپنے ضمیر کی آواز مقامِ متعلقہ تک پہنچا سکے۔ خدا کے لئے باتیں کم کرو کام زیادہ کرو۔

اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔

the man, and for the human race to progress it is necessary that both men and women utilize their capabilities to the utmost. In particular,the twenty-first century has to see people harnessing the universe and attaining greater heights in the arts and sciences, and the demands of this era cannot be fulfilled unless the woman too performs her multi- dimensional role alongwith the man. And this will only be possible if the woman gets as many opportunities of education and self-development as does the man. Not only education, but also equal opportunities will have to be provided to both men and women to work according to their abilities in all walks of life. But fulfilling a satisfying role in practical life does not mean that the great responsibility of motherhood is to be ignored by women. It has to be ensured that there occurs no clash between a woman's role as a mother and her role as a human being utilizing her potentialities for society's progress, and that a balance is maintained between the two. This end will be achieved by establishing such a system in the society under which woman can divide her time equitably between her home and her work in order to fulfil all her responsi- bilities properly and gracefully. According to the Quran, this is what the twenty-first century would demand of a woman.

REFERENCES:

(1) Parwez, Ghulam Ahmad "Mafhoom-ul-Quran"
(2) Parwez, Ghulam Ahmad "Islam Kya Hai"
(3) Naheed, Kishwar "Aurat, Khuaab Aur Khaak Kay Darmeyaan"

ACKNOWLEDGEMENT:.
The author is grateful to Mrs. Surayya Alvi (Lahore, Pakistan) for translating this paper from Urdu into English.

Second on our list of priorities should be to provide such facilities to working mothers that they would not have to be out of their homes for work for seven or eight hours per day, as this disrupts the upbringing of children. The society should organize a system of part-time jobs that last two or three hours per day so that, by dividing her time properly, a working mother is able to fulfil her responsibilities associated with her children as well as able to participate in the progress of the society. Such a balanced role of women will keep the society balanced,and will promote collective progress.

Human beings (both men and women) play their role in every department of life, may it be the economy, the social sphere or the political sphere. Regarding politics, the importance and utility of democracy is well-known by every thinking citizen and society. Democracy is based on the individual's right to vote which is possessed by every sane adult. Since it is a human right, discrimination between men and women in this regard is simply out of the question. But in our society it is customary to keep women deprived of this right even in today's democratic era. In particular, a majority of our rural women is not allowed to use this right. Such unjust restrictions make women's role static and lifeless rather than active and vibrant. Stagnation is synonymous with death. To keep the woman stagnant is an open insult to humanity which cannot be tolerated in the future progressive times.

Whatever has been done in the past has been done. The question that needs to be tackled now is this:"In respect of progressive steps, what economic, social, political and scientific demands will the coming century place on us human beings, and what line of action will we need to adopt?" Without going into details, the answer to this question can be summarized in one sentence as follows: "Without doubt, humanity's survival and continuous advance toward progress depends on the active role of both men and women played sincerely and honestly and with a sense of responsibility in all walks of life."

Now that less than ten years are left for the twenty-first century to begin, let us step forward to welcome it with the resolve that we will turn the above-mentioned sweet dream of humanity's future into reality. May Allah's blessings and assistance remain with us. Amen.

SUMMARY:

This paper throws light on the status of women as prescribed by the Quran and explains the role of a woman in the march of human progress. The Quran has given to the woman the same noble status that it has given to

man, and this fact has been concea- led that the Muslim woman was the first woman in the world to taste freedom. The Quran liberated her from all the previous shackles and regarded her a free human being. Human life cannot take a single step forward without the freedom of thought and action. Under this permanent principle, the future will not be able to meet the progressive demands of its times unless and until human freedom means freedom for both men and women. As such, during the twenty-first century, the woman will have to be free to think and act in order to be able to fulfil her role admirably.

Freedom for a woman does not mean that she should be able to go to the market to buy necessities for her kitchen and children or to go here and there without let or hindrance. Freedom means that she should be free to make decisions for herself just like a man is free to do so; regarding family matters her opinion should carry weight, and she should be able to render proper advice based on her discretion and judgment; regarding her role in the society, she should continue to fulfil her responsibilities for the political, economic and social progress of her country.

A woman's role demands that she should be fully able to defend herself against aggression. This capability adorns one with self-confidence which is like a foundation-stone for building one's personality. Therefore, to develop this trait in women, they should be exposed to military training so that they are able to ensure their personal safety as well as counter-act the negative elements in the society.

A woman's role as a mother is extremely important, and it cannot be ignored in any period, era or century. It is an established fact that the coming generations are brought up in a mother's lap, and it is a mother's responsibility to nurture a child in the best possible manner. The gist of the psychologists' researches is that a mother's lap is the foundation of whatever turn a child's personality is to take in adulthood. Later education only consolidates the initially formed personality structure. A scholar is quoted to have said, "Give me educated mothers, and I shall give you a civilized and progressive society." Hence a woman's responsibilities as a mother will also form an essential ingredient of her role in the twenty-first century. Educated mothers with their excellent nurturing of children will be able to provide the most cultured, civilized, talented and responsible individuals to the society. But we cannot realize this sweet dream of the future if we do not take care of our present. We will have to take important steps towards this end now. A proper and permanent arrangement for the education of all women should top the list of our priorities because an uneducated woman can love her children very dearly but she cannot provide them with mental stimulation.

A man's lack of education becomes the stumbling block in the way of educating a woman. An educated woman cannot reap the benefits of her education in the company of an uneducated man. The clash of ignorance and education can be quite detrimental to the companionship of a man and a woman; on the one hand, domestic life is adversely affected and on the other it disrupts the peace of the society; members of the society cannot progress and flourish. It is a known fact that ignorance places hurdles in the way of development and progress but proper education can turn them into stepping stones.

Considering the progress this world has seen in the field of science, the great leaps in scientific inventions, and the constant advances towards har- nessing the universe, it is certain that scientific advancement and computer technology will attain great heights in the twenty-first century; this era will neither accept any ignorance nor have any link with it. According to the laws of nature, it is obvious that the coming centuries will see humankind forging ahead and unraveling more and more mysteries of the universe. According to the Quran exploration of the universe is one of the primary responsibilities of the human race. As humans include both men and women, both will have to attend to this important responsibility. The awakening of the human mind demands that the woman alongwith the man develops to the fullest her potential for fulfilling this responsibility, and does not let her God-given capabilities be wasted.

In respect of education we should not forget that the purpose of education is to train and awaken one's mind, and to provide self-realization, and not merely to enable a person to read a book or to just sign one's name! Keeping this in view, we should decide what kind of an education should be imparted to people indeveloping agricultural countries (which includes Pakistan). A method of education that emphasizes training and self assessment may be able to produce better results than a system that promotes adherence to a prescribed syllabus. Such a method will assist in ncreasing human knowledge which will enable the human race to fulfil the demands of the twenty-first century in a befitting manner.

Freedom is a birth-right of every human being. Man has struggled for freedom and liberty in every era and in every part of the world. According to the Quran -a charter for humanity - no human being has a right to enslave any other human being. Despite this divine decision, until now humanity has not been able to set people free from unauthorized exploitation. Slavery and subjugation still exists in some form, to some extent, somewhere. For instance, the woman was certainly considered a slavery of the man during the dark ages but even in today's enlightened times she is subservient to the

The fact is that if the woman does not play her role in the society, half of the world would come to a standstill. An account of the daily schedule of an urban working woman will reveal that out of the 24 hours, she has to work in her house and office for 18 hours. Quite a number of teachers, social workers and health visitors have to go to the villages from the cities for their work. Four hours of travel are besides the time such a woman puts in her work. Inspite of all this the wages received by women are much less than those received by men. Consciously or unconsciously men try to employ women as unpaid employees. In Pakistan, it is customary not to regard the work of a rural woman as a contributor to the national economy. An urban woman too quite often hands in all her salary to her husband.

Pakistan is an agricultural country. Both men and women contribute to this important sector of the national economy. A woman works together with the man in the fields. She reaps the crop, winnows and divides the harvest, and at home chops the fodder, milks the animals and does other house-hold chores but inspite of all this work, she is not recognised as an earning member of the family. Similar is the situation of women living in the cities. This is how even after taking on a wide range of responsibilities, a woman does not get her due status in our society. A great majority of Pakistani women works for long hours, and in running the economy of a home a woman's direct or indirect roleequals, and in some instances, surpasses that of a man. Inspite of this she is considered backward. Backwardness in fact comes from lack of education which is faced by both men and women of Pakistan,because of the fact that Pakistan is a male-dominated society, it is the woman who is accused of being backward and who suffers the consequences of this accusation from various angles. All these problems and hurdles are besieging the Pakistani Muslim woman even at the end of the twentieth century. This is how and why she is lagging far behind in humanity's march toward progress. There is no doubt that without getting rid of these problems a woman can neither ascertain what role she is required to play in order to meet the demands of the twenty-first century nor fulfil the requirement.

In view of the above, the first thing to do today is a serious and proper planning for educating the female half of the population, the education consist- ing of all the prevalent arts and sciences. Moreover, whether or not an individual acquires education should not be left to the individual's whims, but, keeping in view the amount of importance the Quran has given to knowledge, education should be made compulsory by the government. Alongwith women's education, it is abso- lutely necessary that men should be educated too, because ignorance is harmful for both of them.

cen- tury. The only difficulty is that for the last many centuries the male-oriented society has made women go through such coercion, degradation and enslavement that she has not been able to appreciate her role or status. Centuries back, she was made to feel so inferior that she started feeling secure in the self-styled superiority of the male, and her life became like dumb-driven cattle. Man's monopoly kept usurping her rights and she could not even protest against this high-handedness.

The woman's tale of woe and helplessness is long and arduous which cannot be summarized here. Yet we cannot ignore the stark reality that even in today's era of scientific progress when humans are travelling in space and conquering the heavenly bodies, and human freedom is being emphasized and highlighted, a majority of women (and it is a great majority) is still captive and groaning under slavery and the system of dependency created by kingship and the dark ages. On the whole, she is obliged to live her life as a subservient of man. This is why male chauvinism does not recognize the importance of her labour; her domestic, social and economic activities are swept under the carpet. Despite all these hurdles, the woman of today is mentally alert, and her self-respect does not let her beignorant and careless about the role that she has toplay. It is a fact, though,that the percentage of such educated women is pretty little compared with our female population, and regarding some areas of Pakistan the less said, the better, and this is so because women have not been allowed to acquire knowledge. Inspite of all these hurdles,the Pakistani woman of today is not only a home-maker but she is fulfilling her role in other spheres of life too. She is a doctor, a lawyer, an engineer, a pilot, an architect, an artist, a teacher, a writer, a poetess, a missionary, a judge, a journalist; she works in the civil service ,and factories, in offices, in banks. All these careers and occupations prove the metal she has been made of, and show that she can take up professions which used to be considered reserved for men only. Man is still reluctant to accept this awakening in women and finds it quite unpalatable.

On the one hand there are educated women who are using their capabilities to shoulder colossal res- ponsibilities, and on the other, there are female workers who are absolutely illiterate but toil very hard in order to earn a living for the sake of their children. Women working as water-carriers in the hills getting water from thousands of feet, women carrying sixteen bricks at a time on their heads to be taken up the modern multi-storied buildings, women crushing stones on road-sides in the scorching sun, and house-wives who are up and around from 5 a.m. to past mid-night are women, the importance and utility of whose contributions cannot be denied. This great majority of women works day and night equivalent to many men but inspite of such great labour, they are considered half the worth of men.

Let us look up the word "Qawwaam" (4/34). According to the ancient and authentic Arabic dic- tionary 'Tajul Urus', the word "Qawwaam" means "justice" & "balance," and also "provisions that are needed for life". As such, the word "Qawwaam" has been interpreted as " the provider" because provisions keep the balance of social life. Now the meaning of verse 4/34 becomes clear: Allah has assigned to men the responsibility of providing for women's needs because women, due to their particular duties of producing children and nurturing them, cannot give full time for earning their livelihood, whereas earnings are needed all the time. It must be kept in mind, though, that this is a general pattern of family life, otherwise, as stated earlier, according to the Quran, a woman is capable of doing everything that a man can do, and a man's role as a provider cannot interfere with her earnings.

The fact is that there is no aspect of life where the woman has not been given an equivalent status or where a woman cannot perform all the roles that a man can. This includes all aspects of human life, including humanitarian, social, economic, political, moral and ethical aspects. In respect of conjugal rights, the it Quran makes the woman's legal position very clear whensays that women carry as many responsibilities asthey have rights. (2/228). As far as the governing of a state is concerned, let us revert to chapter 'Haj' where it has been said about the Muslim nation: When they will govern, they will organize the 'Salat' system (in which all the members of the society will adhere to divine law), and they will perform the duty of 'Zakat' (provide for the nourishment of the people in the society) and will forbid what Allah has forbidden and will order good deeds (22/41). This is the basic duty of an Islamic state. Now let us see whether the Quran assigns this duty to men only or are women to participate in it too ? In chapter 'Tauba' Allah reveals: Momin men and women are companions of each other. They order good deeds and forbid the foul ones (9/71) Good deeds are those which are considered good by divine law, and bad ones are those which the Quran does not allow. This Quranic verse makes it quite obvious that a woman too can participate in the affairs of the state, and that men and women can share their responsibilities in this respect on an equivalent status. According to this principle, responsibilities associated with the administration of a state should be divided between men and women according to their abilities. This encompasses all the duties ranging from those of the president to those of the lowest rank of functionaries. The Quran does not discriminate between men and women in this regard. We see that verses of the Quran throw a clear light on the woman's status and the role she has to play as a human being. In the light of this constant guidance we should have no problem in ascertaining a woman's role in the twenty-first

women. It is true for both men and women that the more their latent potentialities are developed the more willing they can be to submit to divine laws. Both are capable of sacrificing. Both can exert such control over themselves that they would not indulge in forbidden things. If men can keep their sexual urges under checks and balances, so can women. Both can understand divine laws and keep them in their minds always. When both possess these qualities equally then they should reap their benefits equally too. Therefore an Islamic society organised on divine lines protects and abundantly rewards both of them. (33/35)

In the Quran, Mominaat have been described as possessing the quality of travellers (66/5). This reminds of the fact that a most important aspect of an Islamic society is that a woman should feel safe at all times and at all places, both inside and outside the home. The last Messenger of Allah emphasized this fact by saying that in a Quranic society a woman will be able to travel alone from Yemen to Syria without experiencing any kind of fear or insecurity. The Quran regards the safety of the woman just as important and obligatory as the security of human life or the security of a country or state. According to this comprehensive code of human life, if a society cannot ensure the safety and security of a woman's mind and body , then that society cannot possibly keep its balance. That society becomes an open pit of degradation.

We notice that the last messenger of Allah stated in conformity with divine laws that a woman too can travel in the deserts and plains alone, and this requires that the man keeps his thoughts and emotions within the limits prescribed by Quranic injunctions so that a woman may have no fears regarding the security of her mind and body. The Quran regards the woman as a most important component of the program of nature,and tells us that both men and women are human beings and both have their respective status in nature's scheme of things. The woman too has the right to develop her potentialities just like a man. For instance, the woman has the right to acquire knowledge _ a process without which one can neither get to know oneself nor get acquainted with the secrets of life. Devoid of know- ledge we would be like animals and would never reach the sublimity of human life. Without education neither can we train our minds or emotions nor can we transfer this excellent boon to our future generations.

We all know that when Allah sent his first revelation 'Iqra' ('Read') to our Prophet (peace be upon him), this directive was meant for all times and for all members of the society. This shows the importance of knowledge, and it is for this very reason that our holy Prophet (peace be upon him) has regarded the acquisition of knowledge compulsory for every man and woman

This wrong belief of Christianity has seeped through the Muslims too that the woman tempted the man in Heaven i.e. Eve was deceived by Satan and then she misled Adam. The fact is that the Quran quite clearly rejects this view by saying that "Satan made both of them go astray". As such, to consider the man innocent and to heap the entire responsibility of sinning on the woman's head is absolutely wrong. This is a negative way of looking at things. Let us look at what is positive: the Quran declares about the status of humans; "Surely dignity is their due". This declaration does not address men only, it is for both men and women. This means that Allah considers both men and women worthy of respect equally as human beings. In the same manner, the Quran's declaration, "We created humans with a beautiful balance", refers to men and women both.

The Quran's objective is firstly to develop the latent potentialities of humans in a balanced way, secondly to create a balanced society in which humans always interact with one-another, and thirdly to strike a balance between the forces of nature and human beings. In other words, the sole object of human life is balance. We should pause and think that if according to the Quran human life consists of the life of both men and women, could it ever be possible that this balance could be created by women alone or by menonly ? Could it possibly be imagined that balance could be achieved by ignoring half of humanity?

The Quran educates us that as a principle all humans are equal. It is the duty of humans to respect other humans and never to degrade either of them. Declaring half of the human race as inferior on the basis of biological difference violates this funda- mental principle of the Quran. The Quran does not discriminate between men and women regarding any aspect of life except the natural functions which are distinct in both. Where human potentialities are concerned, there is absolutely no difference. But for thousands of years men have kept women deprived of the resources and opportunities that could have developed her potentialities. And then they cry from the pulpit that the woman has a defective mind. The Quran does not support this idea. The Quran's stance is that men and women should be given equal opportunities and then be watched how they traverse the path of life side by side. The 35th verse of Al-Ahzab gives us such a shining and permanent criterion of the equality of men and women that it is hard to find elsewhere. It tells us that both men and women have been endowed with the ability to follow the divine principles. Both men and women can become the members of that group which believes in the validity of these principles and therefore ensures world-peace. Men have been given the quality of directing their abilities for divine programs, so have women. If men can have the courage of their convictions, so can women. If men can be stead-fast, so can

Tolu-e-Islam Magazine Nov 91

THE QURAN & THE ROLE OF THE WOMAN IN THE TWENTY-FIRST CENTURY

BY
SURAYYA ANDALEEB
LAHORE - PAKISTAN

This paper was presented in the the First National seminar on the subject of "The Holy Quran and the Twenty-first Century" held in Islamabad during March 1991 under the auspices of the Holy Quran Research Foundation. The Article throws light on the role of the woman as envisaged by the Quran.

The Quran assigns to the woman the same exalted status as it does to the man. It is necessary for both men & women to use their capabilities to the utmost if they want the human race to progress. The coming century in particular has to see them conquering the universe and making in-roads into the arts and sciences on the ladder of progress. The demands of the twenty-first century cannot be met unless and until the woman too fulfils her many-faceted role alongwith the man, and this can be achieved only if the woman gets as many opportunities of education and of developing her propensities as the man in the coming century. Not only this, opportunities of working in various departments of life will also have to be provided to both equally according to their capabilities. Playing a fulfilling role in practical life does not mean that a woman should ignore her basic responsibilities as a mother. It is necessary that a balance is maintained in a woman's responsibilities as a mother and her responsi- bilities as a human being to utilizes her potentali- ties for the progress of the human race. The society will have to be set up in such an organized way that a woman is able to divide her time equitably and to shoulder all her responsibilities justly and properly.

Let us see what guidance we get from the Quran about woman's status as a human being. First of all we should note that the Quran rejected the prevalent notion that the Almighty created man (Adam) first, and then the woman (Eve) was taken out of his rib. The Quran tells us:" Allah created you out of a single life cell and then divided this life cell into two, a male and a female and then a great number of men and women were spread into the world by the merger of these two cells". (4/1) Therefore, according to the Quran, neither men nor women possess a higher status by virtue of gender; their life- spring is the same; they are two branches of the same root.